جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالم ربانی محدث کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

اگست
سنہ ۱۹۹۳ء

صفر المظفر
سنہ ۱۴۱۴ھ

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۱ صفر المظفر ۱۴۱ھ ـ اگست ۱۹۹۳ء شمارہ : ۱۱

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ

بدل اشتراک :

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	....	سالانہ ۱۰۰ روپے
سعودی عرب ـ متحدہ عرب امارات	.... //	۴۵ ریال
بھارت ـ بنگلہ دیش	.... //	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	.... //	۱۶ ڈالر
برطانیہ	.... //	۱۴ ڈالر

رابطہ کے لیے
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور ، کوڈ ۵۴۰۰۰
فون ۲۰۱۰۸۶-۲۰۵۳۸۸

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
سیرۃ مبارکہ	حضرتِ اقدس مولانا سید محمد میاںؒ	۷
نعت	ڈاکٹر سجاد سید جامعہ نگر دہلی	۱۶
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سید حامد میاںؒ	۱۷
درسِ قرآن	حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	۱۹
آخری چہار شنبہ	مولانا عبد الحفیظ صاحب فاضل جامعہ مدنیہ	۲۶
فرموداتِ حضرت مدنیؒ	حافظ تنویر احمد شریفی	۲۹
تلامذہ شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ	ڈاکٹر ابو عبد الرحمٰن	۳۰
حاصلِ مطالعہ	مولانا نعیم الدین	۳۲
ہمارے اکابر کا اصل مسلک	حضرت مولانا مفتی عبد الواحد	۳۶
حیف ہے	سلیمہ بنتِ حامد بن محمد	۵۳
تبصرہ		۵۵

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی۔

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپواکر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قادیانی جماعت ایک اسلام دُشمن جماعت ہے، اس کا اسلام دُشمن ہونا اس کے مخصوص عقائد و نظریات سے واضح ہے، اس جماعت نے اسلام کے بُنیادی عقائد توحید و رسالت اور ختمِ نبوّت وغیرہ کو بُری طرح پامال کیا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانا ہے اور اس کی تعلیمات کو جزوِ ایمان بنایا ہے، جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیمات اس قدر گندی، گھناؤنی اور اسلام کُش ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ مرزا نے اپنی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی توہین اور دیگر انبیاء کرام کے ساتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بھی توہین کی ہے، حیاتِ عیسیٰ علیہ السّلام کا انکار کیا ہے، کفّار کے خلاف جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا ہے، اسلافؒ اور بزرگانِ دین کو بُرا بھلا کہا ہے، اپنے مخالفین کو غلیظ ترین گالیاں دی ہیں، اپنے نبی، مجدّد اور مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قادیانیوں کو اُن کے مذموم اور مزعوم عقائد و نظریات کی بناء پر اسلامیانِ برّصغیر کی متفقہ سو سالہ جدّوجہد کے نتیجہ میں، ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو متفقہ طور پر قومی اسمبلی آف پاکستان نے سابق وزیرِ اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے زمانہ میں ۱۹۷۳ء کے آئین میں دوسری ترمیم کے ذریعہ غیر مُسلم اقلیت قرار دے دیا تھا، پاکستان کے علاوہ دُنیا کے کئی دیگر اسلامی ممالک میں بھی قادیانیوں کو غیر مُسلم اور اُن کی جماعت کو خلافِ قانون قرار دیا جاچکا ہے۔

۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء میں سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک آرڈی ننس کے ذریعہ اس ترمیم کے مقتضیات

پر عمل کرتے ہوئے قانون سازی کی اور "امتناع قادیانیت" آرڈی ننس جاری کیا جس میں قادیانیوں کو اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد اور اپنی عبادت کا نام نماز رکھنے اور اذان و کلمہ طیبّہ کی اصطلاح استعمال کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

اس آرڈی ننس کو قادیانیوں نے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا۔ پانچ فاضل ججوں نے ایک ماہ کی مسلسل سماعت کے بعد اُن کی رٹ کو خارج کر دیا، پھر قادیانیوں نے وفاقی شرعی عدالت کے اپیل بنچ سپریم کورٹ میں اس کے خلاف اپیل کی، ان دنوں وفاقی شرعی عدالت کے اپیل بنچ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس محمدؐ افضل ظلّہ تھے جو بعد میں سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس بنے اُن کی سربراہی میں اپیل بنچ نے کیس کی سماعت کی، قادیانیوں نے اپنی اپیل واپس لے لی، اس واپسی کی درخواست پر جناب جسٹس افضل ظلّہ نے ۶۲ صفحات پر مشتمل فیصلہ لکھا اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کو برقرار رکھا، بعد میں قادیانیوں کی طرف سے پاکستان کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ میں آٹھ مختلف اپیلیں دائر کی گئیں۔ فروری ۱۹۹۳ء میں سپریم کورٹ کے پانچ فاضل جج حضرات پر مشتمل بنچ نے ہفتہ بھر اُن کی سماعت کی، مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن اس بنچ کے سربراہ تھے، اور مسٹر جسٹس عبدالقدیر، مسٹر جسٹس ولی محمد، مسٹر جسٹس محمدؐ افضل لون، مسٹر جسٹس سلیم اختر اس بنچ کے ارکان تھے۔ ان حضرات نے فروری میں ان اپیلوں کی سماعت کے بعد فیصلہ محفوظ رکھا، سُنایا نہیں۔ ۳ جولائی ۱۹۹۳ء کو قادیانیوں کی پانچ اپیلوں کا فیصلہ سُناتے ہوئے سپریم کورٹ نے انہیں مسترد کر دیا ہے اور یہ فیصلہ دیا ہے کہ "امتناع قادیانیت" آرڈی ننس بنیادی حقوق کے خلاف نہیں"۔

۵ جولائی ۱۹۹۳ء کے روزنامہ پاکستان کی رپورٹ کے مطابق سپریم کورٹ کے قائمقام چیف جسٹس مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن نے اختلافی فیصلہ دیتے ہوئے، امتناع قادیانیت آرڈی ننس کے کچھ حصّوں کو بنیادی حقوق سے متصادم قرار دیا ہے، جبکہ فل بنچ کے باقی چار ججوں نے کہا ہے کہ امتناعِ قادیانیت آرڈی ننس بنیادی حقوق سے متصادم نہیں۔

عدالت عظمٰی کے اس فیصلہ کا مختلف دینی مذہبی اور سیاسی تنظیموں نے خیر مقدم کرتے ہوئے اُس کی تحسین کی ہے، ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں۔ واقعتاً عدالت عظمٰی کا یہ فیصلہ مبنی برحق ہے کیونکہ قادیانی، آئینی اخلاقی اور مذہبی طور پر مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے کسی بھی طور پر مسلمانوں کے شعائر استعمال کرنے کے حق دار نہیں ہیں، لہٰذا اس آرڈی ننس سے اُن کے بنیادی حقوق قطعاً متأثر نہیں ہوتے، اس موقعہ پر اہم

اہلِ حق کے مایہ ناز وکلاء، جناب سیّد ریاض الحسن گیلانی صاحب اور جناب محمد اسمٰعیل قریشی صاحب کو اُن کی اِن مقدمات میں بے لوث خدمات پر خراج تحسین بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم مسٹر جسٹس شفیع الرحمٰن کے اختلافی فیصلے کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، بالخصوص جبکہ باقی چار جج میں سے ایک فاضل جج ریٹائر بھی ہو گئے ہیں، کیونکہ ہمیں اس بات کا خدشہ ہے کہ قادیانیوں کی طرف سے اس فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے دائر ہونے والی اپیل میں کہیں اس فیصلے پر زد نہ پڑے۔ اس لیے ہم اُمّتِ مُسلمہ کو قبل از وقت اس خطرہ اور خدشہ کی نشاندہی کیے دیتے ہیں تاکہ وہ مرزائیوں کے ہر اقدام کی خبر رکھیں اور عدالتِ عظمٰی کے فاضل ججز سے بھی اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اُمّتِ مُسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی بھی قسم کا فیصلہ دینے سے گریز کریں گے۔

○

گزشتہ دو ماہ سے صدر غلام اسحاق خان اور وزیرِ اعظم نواز شریف کے درمیان واقع ہونے والے گھمبیر اختلافات کی وجہ سے پُوری قوم جس کرب و بے چینی کا شکار رہی ہے اس سے کوئی باہوش انسان بے خبر نہ ہوگا۔ اس دوران ملک میں سیاسی بُحران کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور معاشی بُحران بھی پیدا ہو چکا تھا جس کی وجہ سے عملی طور پر کاروبار بالکل ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ دوسری طرف ملکی سرحدات پر دُشمن کی نقل و حرکت اور شدید بارشوں کی وجہ سے آنے والے سیلاب مزید پریشانی پیدا کر رہے تھے، ہر فرد بے سکونی بے چینی اور ذہنی کرب کا شکار تھا۔ آنے والے کل کے متعلق کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو گا۔

○

اللہ بھلا کرے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل عبدالوحید کا اُنہوں نے ذاتی دلچسپی لے کر ملک میں پیدا ہونے والے بدترین بُحران کو ختم کیا جس کی صحیح صُورت اور بہتر بن حل یہی تھا کہ صدر اور وزیرِ اعظم دونوں مستعفی ہو جائیں اور کچھ عرصہ بعد نئے انتخابات ہوں۔

ہم ملک و قوم کے سرمایہ فخر ادارے کے سربراہ جنرل عبدالوحید خان کو اُن کے اِن اقدامات پر مُبارکباد پیش کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی قوم و ملک کی اسی طرح خدمت کرتے رہیں گے، اور ساتھ ساتھ اُن کی توجہ اِس امر کی طرف بھی دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ عبوری صدر اور خاص طور پر وزیرِ اعظم چونکہ حادثاتی طور پر ان اہم ترین مناصب پر فائز ہوئے ہیں، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس عبوری دَور میں اُن کی کمزوریوں سے غیر ملکی شاطر فائدہ اُٹھا جائیں اور ملک و قوم کسی ایسے بڑے حادثہ سے دوچار

ہو جائیں کہ پھر اس کی تلافی خدا نخواستہ کسی طور ہو ہی نہ سکے، خاص طور پر ایٹمی پالیسی کے حوالہ سے امریکی جبر و استبداد نہایت ہی نازک اور اہم معاملہ ہے جبکہ معاملہ کی سنگینی اس اعتبار سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ عبوری وزیرِ اعظم امریکی پاسپورٹ ہولڈر ہوں اور اُن کا تقریباً تمام تر ذاتی مفاد امریکہ سے وابستہ ہو ___ کہیں ایسا تو نہیں کہ اہل حل و عقد عجلت میں کیے گئے فیصلوں میں شخصیات کی مکمّل جانچ نہ کر پائے ہوں اور کچھ گوشے زیرِ غور آنے سے رہ گئے ہوں اگر خدا نخواستہ ایسی چوک ہوگئی ہے (جبکہ بظاہر واقعات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے) تو اہلِ حل و عقد اس کی تلافی کی بھی فکر کریں تاوقتیکہ منصفانہ انتخابات انجام پائیں۔

ہمارے عوام کو بھی چاہیے کہ وہ آئندہ انتخابات میں ہوش سے کام لیتے ہُوئے ان افراد کو منتخب کریں جو ملک و قوم کے لیے مفید ہوں۔

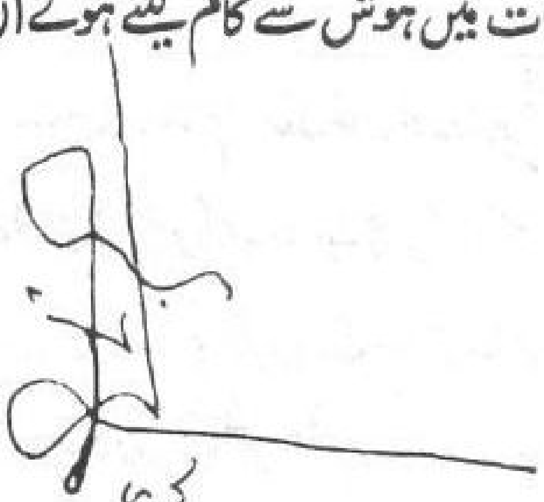

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی و قرأت سبعہ و عشرہ اور راویت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجود مکمّل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بر وقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے ہمیں ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔

منصوبہ بند کوششیں

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
"سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعوتِ عام نہیں دی تھی۔ آپ خاموشی سے ذکر و فکر اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تربیت میں مصروف تھے۔ اس وقت بھی قریش کے تاڑنے والوں نے یہ کوشش کی تھی کہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے اور محمدؐ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کسی طرح کی مفاہمت ہو جائے، مگر اُن کی یہ کوششیں ناکام رہی تھیں، لیکن جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پُورے قریش بلکہ پورے عرب کو مخاطب کر کے تبلیغ شروع کی تو مخالفانہ کوششوں کا بھی نیا دَور شروع ہُوا۔

قریش کے لیے یہ سوال بہت اہم اور بہت پیچیدہ تھا کہ جس کا وہ احترام کرتے رہے تھے اور جس کو الصَّادق اور الْاَمین کہا کرتے تھے۔ اب اس کی تردید کس طرح کریں اور عوام کو کس طرح مطمئن کر کے الصَّادق الْاَمین کے خلاف مشتعل کریں۔ حج کا زمانہ قریب آیا تو یہ سوال بہت اہم ہوگیا، کیونکہ یہ یقین تھا کہ محمدؐ (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) اس اجتماعِ عظیم سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے قبائلِ مکّہ کے ذمّہ داروں کا اجتماع کیا گیا۔ بحث و مباحثہ کے بعد طے کیا گیا کہ پہلے محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے الگ گفتگو کر لی جائے۔ ولید بن مغیرہ کو گفتگو کے لیے منتخب کیا گیا۔

ولید بن مغیرہ مکہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ بہترین خطیب، بلند پایہ شاعر، جہاندیدہ، عمر رسیدہ، تجربہ کار اور ایسا سلیقہ مند کہ شاہانِ ایران۔ افریقہ اور شام کے درباروں میں جاتا رہتا تھا اور وہاں اس کی عزّت کی جاتی تھی۔

(ولید بن مغیرہ کا آسان تعارف اب یہ ہے کہ اسلام کے مشہور اور کامیاب ترین جرنیل حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے نامور فرزند تھے جو اس واقعہ سے تقریباً پندرہ سال بعد حلقہ بگوشِ اسلام

ہوئے۔)

ولید، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا، گفتگو کی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے مقصد کی وضاحت کی اور چند آیتیں قرآن پاک کی پڑھ کر سنائیں۔

ولید آیتیں سُن کر ہکا بکا رہ گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تبلیغ سے منع تو کیا کرتا خود گم ہوگیا۔ خاموشی سے مجلس سے اُٹھا اور جب مجلسِ قریش میں واپس پہنچا تو حالت عجیب تھی۔ لوگوں کو خیال ہُوا ولید بہک گیا۔ محمدّ کا ہوگیا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مگر ولید باہمہ عقل و دانش حیران تھا کہ جو کلام سُنا ہے اُس کے بارہ میں اور خود محمدّ (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے بارہ میں کیا فیصلہ کرے پُورے غور و فکر اور موازنہ کے بعد ولید نے ارکانِ مجلس سے کہا

"محمدّ کو کاذب نہیں کہہ سکتے ۔ اس کو کاہن بھی نہیں کہہ سکتے۔ شعر و سخن کا مَیں ماہر ہوں، اس کا کلام شعر بھی نہیں ہے۔ کاہنوں کی تُک بندیوں کو بھی مَیں جانتا ہوں۔ محمدّ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ ان سب سے بہت بلند ہے۔ اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ مجھ جیسا پختہ اور ٹھوس آدمی بھی چکرا گیا۔

اصل سوال کے متعلّق ولید نے رائے دی کہ محمدّ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شائستہ اور شیریں گفتگو اور اس کلام کی غیر معمولی تاثیر کا توڑ یہی ہو سکتا ہے کہ پوری قوّت سے پروپیگنڈہ کرو کہ (۱) محمدّ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جادُوگر ہے۔ وہ ایسے منتر پڑھتا ہے کہ گھر گھر میں پھُوٹ پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی بات نہ سُنو۔ (۲) وہ دین سے پھر گیا ہے، وہ کہتا ہے کہ تم سب، تمہارے باپ دادا۔ اور تمہارے وہ دیوتا جن کی پُوجا کرتے ہو، یہ سب دوزخ کا ایندھن ہے (۳) تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمدّ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔

ولید کی رائے سے سب نے اتّفاق کیا اور صرف طے ہی نہیں کیا بلکہ اس شد و مد سے عمل بھی شروع کر دیا کہ ابھی قبائل کے لوگ حج کے لیے روانہ بھی نہیں ہُوئے تھے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی بے دینی کا چرچا اُن کی گلی کوچوں تک پہنچ گیا اور نہ صرف محمدّ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) بلکہ آپ کے خاندان "آل ہاشم" کے متعلّق بھی نفرت کی لہر اُن تمام قبائل میں دوڑ گئی جو حج کے

لیے آنے والے تھے۔ ابولہب کے متعلق طے کیا گیا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی نگرانی رکھیں گے اور جہاں وہ تقریر کرنا چاہیں یا لوگوں سے گفتگو کریں وہ ان کو منتشر کر دیں۔

"ابولہب" آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سب سے بڑا چچا (تایا) تھا۔ مالدار اور باوجاہت بھی تھا۔ عرب کے قاعدے کے مطابق خاندان کا بڑا شخص خاندان کے ہر فرد کا ولی مانا جاتا تھا اور اس کو حق ہوتا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے کے متعلق کوئی اعلان کر دے۔ قصاص وغیرہ کے قضیوں میں ایسے ولی کے قول کی خاص اہمیّت ہوتی تھی۔ اسی غرض سے اس کو اس خدمت کے لیے مقرّر کیا گیا تھا کہ خاندان کے سب سے بڑے شخص کی حیثیّت سے لوگوں کو بتائے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ وہ اپنے خاندانی بزرگوں کو جہنّمی بتاتا ہے اور دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے۔ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ خاندان کے سب سے بڑے شخص کے قول سے زیادہ کس کی بات معتبر ہوسکتی ہے۔

حج کے موقع پر انتظام کے متعدد شُعبے خصوصاً سقایہ یعنی حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام (جو سرزمینِ حجاز خصوصاً مکّہ میں سب سے سخت کام تھا) آلِ ہاشم کے سپرد ہوتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ابولہب کے علاوہ آپ کا پورا خاندان اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا، مگر آپ کا حامی تھا۔ خواجہ ابوطالب اُن میں پیش پیش تھے۔ سردارانِ قریش کے پروپیگنڈے کے باعث جو نفرت خاندانِ ہاشم سے عرب میں پھیل گئی تھی، خواجہ ابوطالب کو اس کا اندازہ تھا۔ انہیں خطرہ ہوا کہ حج کے موقع پر یہ نفرت بغاوت کی شکل اختیار کرلے گی اور وہ ان خدمات سے مجبور ہو جائیں گے جو حج کے موقع پر اُن کے سپرد ہوتی تھیں، قبائلی رقابت اس فتنہ کو اور ہوا دے سکتی تھی۔

لہٰذا خواجہ ابوطالب[1] نے تقریباً سو شعر کا طویل قصیدہ لکھا۔ جس میں خانہ کعبہ، حرم شریف کی عظمت وحرمت، اس کے واجب الاحترام ہونے کے متعلق مسلمہ روایات، پھر خاندانِ ہاشم کی عظیم الشّان خدمات کا تذکرہ کیا۔ اس قصیدہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت پر بھی روشنی ڈالی کہ اُن کے اخلاق واوصاف کیا ہیں اور قریش کس طرح اُن کی تعظیم کرتے رہے ہیں۔

---

[1] ابن ہشام نے اس پورے قصیدہ کو نقل کیا ہے اور اس کی وجہ تصنیف یہی بیان کی ہے جو اوپر گزری۔ ص۱۶۶ تا ص۱۷۱ ج ۱۔

اسی قصیدہ کا وہ مشہور شعر ہے جو نعت شریف کے موقع پر عام طور سے پڑھا جاتا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ[۱]

ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد بیان کرنے کے بعد یہ بھی واضح کیا کہ اگرچہ وہ ایک نئے مذہب کی دعوت دے رہے ہیں، مگر ابناء ہاشم جو حُجاج کی خدمت کرتے ہیں، وہ اُن کے مذہب کے حامی نہیں ہیں، وہ بدستور اپنے قدیم مذہب پر قائم ہیں اور اُن کے عقائد وہی ہیں جو سردارانِ قریش اور عام عرب کے عقائد ہیں، وہ اسی طرح دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور اُن کی پُوجا کرتے ہیں۔ بااین ہمہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ "محمدؐ" کو مخالفین کے حوالے کردیں۔ خاندانِ ابوطالب اپنی جانیں قربان کردے گا، مگر اپنی موجودگی میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بال بیکا نہیں ہونے دے گا۔

عرب شعر کے دلدادہ ہوتے تھے۔ شاعروں کے قصیدے جیسے ہی پڑھے جاتے تھے، بچّہ بچّہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور پھر جگہ جگہ وہ نقل کیے جاتے تھے۔ اس وقت شعراء کے قصائد کو وہی طاقت حاصل تھی جو دَورِ حاضر میں کسی مضبُوط پریس کو حاصل ہے، چنانچہ خواجہ ابوطالب کا یہ قصیدہ تمام قبائل میں پھیل گیا اور اس طرح وہ فتنہ فرو ہُوا جو بنو ہاشم کے خلاف کھڑا کیا جارہا تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے متعلق اس کی وہی قوّت باقی رہی بلکہ خواجہ ابوطالب کے قصیدے نے اور تائید کردی کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نئے مذہب کے داعی ہیں، چنانچہ خواجہ ابوطالب اور اُن کے ساتھیوں کو تو اپنی خدمات کی انجام دہی میں کوئی نئی دشواری پیش نہیں آئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب پوری طرح کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف لے جاتے عرب کا گورا چٹا[۲] ایک باوجاہت سردار (ابولہب) اُن کے پیچھے ہوتا، جو لوگوں کو ڈانٹتا رہتا کہ اُن کی بات نہ سُنو، یہ پاگل ہوگئے ہیں[۳] (معاذ اللہ)

۱؎ یعنی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعریف یہ ہے کہ ایسا روشن چہرہ جس کا واسطہ دے کر بادل سے بارش مانگی جاتی ہے (یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ بارش نہیں ہُوئی تھی تو قریش نے آپ سے دُعا کرائی تھی اور بارش ہوگئی تھی)، یتیموں کی پناہ ہیں، بے سہارا بیوہ عورتوں کی عصمتوں کے محافظ۔ ۲؎ ابولہب کا رنگ سفید، سُرخی رُخساروں میں کِھلی ہُوئی۔ اس کے رُخساروں کو شعلوں سے تشبیہ دیتے ہُوئے اس کا لقب "ابولہب" رکھا گیا تھا۔ یعنی شعلوں والا۔ ۳؎ طبقات ابن سعد ص ۱۴۵ ج ۱ وغیرہ۔

ہوٹنگ اور انتشار

ابولہب کا یہ طریقہ انفرادی نہیں رہا، بلکہ اجتماعی بن گیا اور یہ طے کر دیا گیا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاں بھی تقریر کریں یا قرآنِ پاک کی آیتیں سُنائیں اتنا شور مچاؤ کہ کان پڑی آواز سُنائی نہ دے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زِچ ہو کر رہ جائیں۔[1] قریشِ مکہ کی شرارت پسندی کو داد دینی چاہیے کہ کئی سال تک یہ پروگرام چلاتے رہے۔

ناکہ بندی

ابوذر۔ قبیلہ غفار کے نمایاں شخص تھے۔ دِل میں صداقت کی تڑپ رکھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰی نبوت کا چرچا آپ تک پہنچا حقیقت معلوم کرنے کا شوق پیدا ہُوا۔ چھوٹے بھائی (اُنیس) سے کہا۔ مکہ معظمہ جاؤ اور تحقیق کر کے آؤ۔ اُنیس مکہ آئے، ملے جُلے اور واپس جا کر رپورٹ دی۔ "ایک صاحب ہیں اچھی باتیں بتاتے ہیں بُری باتوں سے روکتے ہیں"۔

ابوذر اس دو حرفی رپورٹ سے مطمئن نہیں ہُوئے۔ خود سفر کا ارادہ کر لیا اور فوراً ہی تیار ہو کر چل دیے۔

ابوذر مکہ میں آئے، لیکن تحقیق کس سے کریں ؟ جہاں نام لینا بھی مصیبت کا سر لینا تھا، لوگ مارنے اور پیٹنے کو تیار ہو جاتے تھے، وہاں راستہ کون بتاتا اور تعارف کون کراتا۔ کئی دن اسی ششدو پنج میں گزر گئے۔ حضرت علی اُن کو دیکھا کرتے تھے، ایک روز اُن کو دیکھ کر ٹھٹکے اتہ پتہ اور مکہ آنے کا سبب معلوم کیا اور جب مقصد معلوم ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو، مگر اس طرح چلو کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ چل رہے ہو، مَیں کوئی اندیشہ محسوس کروں گا تو چپل ٹھیک کرنے کے بہانے دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ تم آگے چلتے رہنا غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی رازداری سے کام لیا تب حضرت ابوذر منزلِ مقصود تک پہنچ سکے۔

حضرت ابوذر کی نظر رُوئے انور پر پڑی دِل نے تصدیق کی کہ گوہرِ مراد حاصل ہو گیا۔ آپ نے اسلام کا پیغام معلوم کیا اور بقول ابوذر وہیں کے وہیں[2] (فوراً) مسلمان ہو گئے۔

---

[1] قال اللہ تعالیٰ لا تسمعوا لھٰذا القرآن الآیۃ سورہ ۴۱ سجدہ۔ آیت ۲۶۔

[2] اسلمت مکانی۔ بخاری شریف ص ۴۹۹۔

زدوکوب اور مشقِ ستم

ایمان کا نور تھا یا جرأت وہمّت کا فولاد۔ جو ابوذر کو حاصل ہُوا۔ واپس ہوکر حرم کعبہ میں پہنچے۔ قریش کے کئی سردار حرم میں موجود تھے۔ حضرت ابوذر کی نظر ان فرعون منش سرداروں پر پڑی تو جوش آگیا۔ ایسی سیدھی راہ اور ایسی سچّی بات۔ اور اُن لوگوں نے اس کے ناکے بند کر رکھے ہیں اور "یہ محمدؐ" مجسّم صداقت وہدایت۔ ان کا کوئی نام تک زبان پر نہیں لا سکتا۔ اس تصوّر نے جذبہ کی قوّت حاصل کی۔ چنانچہ آپ نے اِن رؤساء کو خطاب کر کے فرمایا: یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ۔ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔

قریش کے سردار اس جرأت کو کب نظر انداز کر سکتے تھے۔ آواز دی۔ قُوْمُوْا اِلٰی ھٰذَا الصَّابِی۔ اُٹھ کھڑے ہو اس بے دین کی طرف (مارو اس بے دین کو) سب طرف سے لوگ حضرت ابوذر پر ٹوٹ پڑے اور جاں بلب کر دیا۔ حضرت عبّاس جو اَب تک مُسلمان نہیں ہُوئے تھے، وہاں موجود تھے۔ اُنہیں خطرہ ہُوا کہ ابوذر کی جان جاتی رہے گی۔ وہ اُن کے اُوپر اوندھے پڑ گئے اور پُکار کر کہا:

> "یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے۔ اس کے قبیلہ والوں نے اگر تمہارا راستہ بند کر دیا تو بھُوکے مرجاؤ گے۔ غلّہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچ سکے گا۔"

غلّہ کا نام سُن کر لوگوں نے ان کو چھوڑا۔

اگلے روز پھر یہی ہُوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا نعرہ بلند کیا اور قریش کے نوجوانوں نے اُن کو پیٹنا شروع کیا۔ تب بھی حضرت عبّاس ہی کسی طرح وہاں پہنچ گئے اور یہی کہہ کر اُن کو بچایا۔[1]

اس طرح کے واقعات اسلام لانے والوں کے ساتھ مسلسل ہوتے رہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدّیق (رضی اللہ عنہ) کئی بار اس طرح تختۂ مشق بن چکے تھے، مگر مارنے والوں میں کوئی بچانے والا بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ جس سے جان بچ جاتی تھی، لیکن ایسا بھی ہُوا کہ کوئی بچانے والا نہیں پہنچ سکا تو جان بھی جاتی رہی۔

---

[1] بخاری شریف ص ۴۹۹۔

حارث بن ابی ہالہ ۔جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لڑکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پروردہ تھے ایک مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چھڑانے آئے ،لوگوں نے آپ کو تو چھوڑ دیا مگر ان کو اتنا مارا کہ شہید ہوگئے۔اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے حرم مکّہ کی وہ زمین رنگین ہوئی جہاں اللہ کے بندے طواف کیا کرتے ہیں[1]

حضرت عمار رضی اللہ عنہ۔مشہور صحابی ہیں۔اُن کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سُمیّہ تھا ابوجہل نے حضرت سمیّہ کے اندام نہانی میں برچھی ماری وہ غریب شہید ہوگئیں۔یہ پہلی خاتون تھیں جو راہِ خدا میں شہید ہوئیں۔رضی اللہ عنہا[2]۔

حضرت عمار کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اتنا مارتے کہ بیہوش ہوجاتے تھے،مگر زندگی تھی باقی رہ گئے۔

حضرت بلال رض : امیہ بن خلف کے غلام تھے۔جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو اُن کو تپتے ہوئے بالو پر لٹایا جاتا اور پتھر اُن کے سینہ پر رکھ دیا جاتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں اور اُن سے کہا جاتا کہ اسلام سے باز آئیں۔مگر اُن کی زبان سے "احد" ہی نکلتا، یعنی معبود ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

جب دُھوپ میں تیزی نہ رہتی تو گلے میں رسّی بندھوا کر لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ مکّہ کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھریں۔

حضرت ابوفکیہہ : صفوان بن امیّہ کے غلام تھے۔صفوان اُن کو بھی یہی سزا دلواتا تھا کہ ان کو گھسیٹتے ہوئے تپتے ہوئے ریت پر ڈال دیا جاتا اور سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا تھا۔ایک روز اتنا بھاری پتھر سینہ پر رکھ دیا گیا کہ اُن کی زبان نکل آئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو تیسرے خلیفہ ہوئے بہت اُونچے خاندان کے باحیثیت رئیس تھے، جب مُسلمان ہوئے تو دوسروں نے نہیں خود اُن کے چچا نے اُن کو رسّی سے باندھ کر مارا۔

حضرت زبیر بن العوام اسلام لائے تو اُن کے چچا اُن کو چٹائی میں لپیٹ کر اُن کی ناک میں دھواں

---

[1] اول من قتل فی سبیل اللہ تحت الرکن الیمانی۔الاصابہ ص ۳۰۶۔ج ۱

[2] اوّل شہیدۃٍ فی الاسلام۔الاستیعاب ص ۶۳۵

دیتے تھے۔

حضرت خباب بن الارت مُسلمان ہُوئے تو اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں ایک روز دہکتے ہُوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا۔ ایک شخص چھاتی پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا کہ کروٹ نہ لے سکیں یہاں تک کہ کوئلے خُون اور چربی سے تر ہو کر ٹھنڈے ہو گئے۔ مُدّتوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں اُنہوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور پیٹھ کھول کر دکھائی جو برص کے داغ کی طرح بالکل سفید تھی۔[۱]

الغرض اس طرح کے مظلوموں کی فہرست بہت طویل ہے اور مظالم کی داستان اس سے بھی زیادہ طویل۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح کے مظالم جو سوچے سمجھے منصوبے کے بموجب قریش کی طرف سے کیے جا رہے تھے اُنہوں نے مکّہ کی پُوری فضا کو اس درجہ دہشت زدہ اور مرعوب کر دیا تھا کہ کھلے بندوں اعلانِ حق تو درکنار لوگوں کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نام نامی زبان پر لانے کی ہی ہمّت نہیں ہوتی تھی۔ حتّٰی کہ حضرت ابو ذر غفاری بعض روایتوں کے بموجب ایک ماہ تک حرم شریف میں پڑے رہے۔ صرف زمزم پر گزر رہا، مگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک نہ پہنچ سکے۔ کسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہُوا تو بڑی رازداری کے ساتھ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس لے گئے۔ (جس کی تفصیل اُوپر گزری۔)

اس طرح کے بے پناہ مظالم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مجبور کر دیا کہ کسی خُفیہ مقام پر قیام فرمائیں۔ چنانچہ ایک مُدّت تک دارِ بنی ارقم میں آپ اور آپ کے ساتھی جن کی تعداد اُنتیس کے قریب تھی۔ پناہ گزیں رہے۔ نہایت عجیب بات یہ ہے کہ ان تمام مظالم کے مقابلہ میں رحمۃ للعالمین کی زبان مُبارک اگر متحرک ہوتی تو صرف دُعائے خیر کے لیے۔ یہی حضرت خباب جن کو انگاروں پر لٹایا گیا تھا۔ اُنہوں نے ایک روز درخواست کی کہ رُسولِ خُدا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ان ظالموں کے لیے بد دُعا فرما دیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دیوارِ کعبہ کے سایہ میں چادر کا تکیہ بنائے ہُوئے اس کے سہارے تشریف فرما تھے۔ جیسے ہی حضرت خباب کے الفاظ سُنے سیدھے بیٹھ گئے۔ رُوئے انور سُرخ ہو گیا

---

[۱] یہ تمام واقعات ان حضرات کے حالات میں الاستیعاب اور الاصابہ وغیرہ میں درج ہیں۔

فرمایا پہلی اُمتوں میں یہاں تک ظُلم ہُوئے ہیں کہ لوہے کے کنگھے سے ہڈیوں اور پٹھوں تک گوشت کھرچ دیا جاتا تھا۔ کسی داعی حق کے سَر پر آرا رکھ کر بیچ سے چیر دیا گیا، مگر ان حضرات کے پائے استقلال میں جنبش نہیں آئی۔ پھر فرمایا۔ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو مکمل فرمائے گا۔ یہاں تک کہ ایک مسافر تنہا صنعاء یمن سے حضر موت تک پہنچ جایا کرے گا۔ راستہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کو کسی کا خوف نہیں ہوگا۔ بُہت سے بُہت بھیڑیے کا خطرہ ہوگا جو اس کے گلّہ پر حملہ کر سکے گا۔[1]

مقصد حضرت عمار ان کے والد اور والدہ تینوں کو طرح طرح ستایا جارہا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس طرف سے گزرے، اُن کو مبتلاء عذاب دیکھ کر فرمایا صَبْرًا یَا آلَ یَاسِرٍ اِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ[2]۔ آل یاسر! صبر کرو۔ تم سے جنّت کا وعدہ ہے۔ یعنی اس انقلابی پارٹی کی پہلی شرط یہ تھی کہ اس کے مجاہدین کی نظر صرف آخرت پر ہوگی۔ اُن کی ہر قربانی اللہ کے لیے ہوگی۔

غلبہ اور اقتدار حاصل ہونے کے بعد یقیناً دُنیاوی مفادات بھی حاصل ہوں گے، مگر وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام مانا جائے گا، مجاہد کا نصب العین نہیں ہوگا۔ قرآنِ حکیم نے اعلان فرما دیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔[3]

یہ عالمِ آخرت ہم انہیں لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دُنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور نیک نتیجہ متقی لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔

---

[1] بخاری شریف ص ۵۴۳

[2] الاستیعاب ص ۶۳۶ نمبر ۲۷۹۰

[3] سورۂ قصص ۲۸ آیت ۸۳

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر سجاد سید جامعہ نگر دہلی

یہ نعت ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ کو آل انڈیا ریڈیو سے ایک نعتیہ طرحی مشاعرہ میں نشر کی گئی۔ مصرعۂ طرح یہ تھا۔ "شامِ شہرِ ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے کون"

شامِ شہرِ ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے کون
ظلمتِ دل کو اجالے کی ردا دیتا ہے کون

گمرہوں کو سیدھے رستے پر بلانے کے لیے
اوجِ ہر کردار سے حق کی ندا دیتا ہے کون

اپنی ہستی سے شناسا کر کے اک اک گام پر
آدمی کو خالقِ کُل کا پتا دیتا ہے کون

کچھ فقیرانِ عرب کو دے کے شانِ بندگی
قیصر و کسریٰ کی بنیادیں ہلا دیتا ہے کون

جسمِ اطہر پر ہزاروں تیرِ غم سہنے کے بعد
سنگ باشی کرنے والوں کو دعا دیتا ہے کون

درسِ وحدت اور اخوت دے کے آدم زاد کو
فرقِ افریقی و ایرانی مٹا دیتا ہے کون

جو علامت تھی حقارت کی سر زمینِ عرب
بنتِ حوّا کو نجابت کی ردا دیتا ہے کون

جسم سے اس کے پسینہ خشک ہو جانے سے قبل
دوستو! مزدور کو اجرت دلا دیتا ہے کون

جنبشِ انگشت سے کس نے کیا شق القمر
غرب سے خورشید کو واپس کرا دیتا ہے کون

اپنی امت کی نجات و مغفرت کے واسطے
روتے روتے بار بار آئیں بتا دیتا ہے کون

(بشکریہ "ندائے شاہی")

مولای صل وسلم دائماً ابداً
علی حبیبک خیر الخلق کلہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ ولالاٰ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است ‏ ‏ ‏ خم و خمخانہ با مہر و نشان است

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد، ایک صحابی جن کا اسمِ گرامی عبداللہ ہے۔ وہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس حاضر ہُوئے، فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔ تمہیں مال و دولت کے آپس میں بڑھانے کے عمل نے اپنے میں مشغول کر لیا ہے، یہ قرآنِ پاک کی آیت ہے، یعنی آدمی یہ آدمی اپنا مال بڑھانا چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسرا فلاں جو ہے اُس کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے۔ اس پہ جناب رُسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک حقیقت کی طرف رہبری فرمائی کہ انسان کہتا ہے مَالِیْ مَالِیْ میرا مال ہے، میرا مال ہے، تو مال کا شور مچاتا رہتا ہے اور اس سے دل لگاتا ہے۔ اسے اپنی چیز سمجھتا ہے۔ اس سے محبّت رکھتا ہے۔

مگر ارشاد فرماتے ہیں وَھَلْ لَکَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِلَّا مَا اَکَلْتَ وَ اَبْلَیْتَ۔ اے انسان حقیقت میں جسے تو اپنا مال کہہ رہا ہے، وہ تیرا ہے بھی کہ نہیں؟ اور اس میں تیرا مال اگر ہے تو وہ کتنا ہے۔ تیرا

مال اتنا ہے کہ جو تو کھالے اور اُسے فنا کر سکے، یعنی اسے ہضم کر سکے۔ ہضم کرنا بھی اسے بدل دینا ہے جو چیز کھائی گئی ہے وہ تبدیل ہو جائے، فنا ہو جائے، دوسری چیز بن جائے جزوِ جسم بن جائے تو جو تم کھالو اور کھا کر ہضم کر لو وہ کہہ سکتے ہو کہ یہ میرا مال ہے، کیونکہ واقعی وہ تمہارا ہو گیا۔

اسی طرح انسان کپڑا پہنتا ہے۔ کپڑے نئے نئے سلواتا ہے، عمدہ عمدہ سلواتا ہے، لیکن یہ کپڑے کیا واقعی اس کے ہو گئے، ابھی تو بن کے آئے ہیں۔ ابھی (کچھ) پہننے شروع کیے ہیں اور کچھ نہیں شروع کیے، کیا پتا کہ پہن سکتا ہے یا نہیں پہن سکتا۔ حقیقت تو ایسی ہی ہے، تو اس لیے کپڑے بھی تمہارے نہیں ہوئے۔ کپڑوں کو بھی اپنا نہیں کہہ سکتے ابھی، ہاں پہن لو پہن کر جب پُرانے کر دو گے پہن پہن کر، پھر کہو گے کہ یہ کپڑا میرا تھا یا یہ کپڑا میرا رہا ہے۔ واقعی رہا ہے، چونکہ استعمال بھی میں نے ہی کیا ہے اَوْلَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ

تیسری چیز اور ہے ——— وہ چیز یہ ہے کہ انسان خُدا کی راہ میں خرچ کرے اور اسے گزار دے ایسے ہو جائے جیسے کہ کوئی کسی جگہ سے گزر جاتا ہے اسی طرح خرچ کرے خرچ کا ارادہ کرے تو اسے مکمّل کرے اور پھر مکمّل کر کے آگے بڑھ جائے اُس کے نتائج اور اس سے توقعات دُنیا کی نہ رکھے آخرت کی رکھے، وہ بھی اسی کا ہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اور ازواجِ مطہرات کی عادت طیبّہ یہ تھی کہ وہ تمام چیزیں جو بھی آتی تھیں وہ بانٹتی رہتی تھیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے پاس بالکل جمع نہیں رکھتے تھے۔ اِدھر آیا اور اُدھر دے دیا ضرورت مندوں کو، ختم کر دیا، تو ازواجِ مطہرات کا بھی ایسے ہی حال تھا۔ ایک دفعہ گوشت آیا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تھوڑی دیر بعد دریافت فرمایا، کھانے ہی کے لیے دریافت فرمایا، تو عرض کیا زوجۂ مطہرہ نے جن کے ہاں بھی آپ کی باری تھی کہ وہ تو سَب ہم نے تقسیم کر دیا، اس میں سے تو کچھ بھی نہیں بچا، سوائے اتنے سے حصّے کے یہ بچا ہے باقی کچھ نہیں بچا۔ تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ سب کچھ بچا ہے سوائے اس حصّے کے حقیقت یہ ہے کہ جو دے چکی ہو وہی بچا ہے ہمارے لیے اور یہ جو ہم کھالیں گے اتنا سا حصّہ جو یہ رہ گیا ہے یہ تو ہم کھالیں گے۔ بچنے والی چیز اور آخرت میں کام آنے والی چیز رفعِ درجات کا ذریعہ بننے والی چیز وہ تو وہی ہے۔

آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عمل یہی تھا جیسے تعلیم دی گئی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

درسِ قرآنِ حکیم

(قسط : ۴)

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ســـــھ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشاء کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے۔ لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اَب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہما اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں۔ اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔۔

سلیمان بن عبدالملک اموی بادشاہ کا شوق

خلفاء بنی آمیّہ میں سلیمان بن عبدالملک یہ خلیفہ ہے بہت بڑا، اُونچے درجے کا خلیفہ ہے اسے نکاح کرنے کا بُہت شوق (تھا) بُہت جوان اور بڑا مضبوط تھا تو شرعی حدود میں رہتا نہیں دا گر چار سے زیادہ بیک وقت کرتا لہٰذا) چار سے زیادہ تو کرتا نہیں تھا بیویاں، مگر چھ مہینے میں طلاق دی، مہرادا کیا اور ایک سے کر لیا پھر پانچ مہینے اُسے رکھا طلاق دی، پھر تیسری سے تو چھ سو نکاح کیے ــــ گویا جائز عیاشی کہنا چاہیے۔ جو ایک مثل برابر ہے۔ قانون کے دائرے سے باہر نہیں سینکڑوں ہزاروں نکاح کر ڈالے تو اُس زمانے میں اُمراء جب جمع ہوتے تھے کسی مجلس میں تو پُوچھتا کہ آپ کتنے نکاح کر چکے ہیں؟ اُس نے کہا بیس۔ آپ نے کے کیے؟ مَیں پچاس کر چکا ہوں، تیسرے کہتے ہیں مَیں جناب ساٹھ نکاح کر چُکا ہُوں۔ ایک صاحب کہتے ہیں مَیں نے سو نکاح کیے ہیں اَب تک

تو اُس زمانے میں مابہ الفخر یہی چیز بن گئی تھی کہ کتنے نکاح کیے اس لیے کہ بادشاہ کا طریقہ یہی تھا کہ دے نکاح پہ نکاح دے نکاح پہ نکاح، تو رعیّت کے اندر بھی یہی جذبہ پھیل گیا کہ یہ ہی کوئی بڑی شان و شوکت کی چیز ہے جس سے بھی کہو۔

خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مشغلہ

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خلیفہ عادل ہیں اور تین سو نفلیں رات میں ثابت ہیں روزانہ اُن کی، باقی اِن حضرات کے اوقات میں اللہ برکت دیتا ہے۔ دن بھر تو پبلک کی خدمت ہیں، مقدمات فیصل کرتے ہیں، مُلک کی تحفّظ میں، بقا میں اور رات کو تین سو نفلیں بھی تو کس وقت سوتے ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے چوبیس گھنٹے عبادت میں ہی گزارتے ہیں تو تین سو نفلیں رات میں ثابت ہیں اُس زمانے میں اُمرا میں فخر کی بات کیا تھی۔ جب کسی مجلس میں جمع ہوئے، آپ رات میں کتنی نفلیں پڑھتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا بیس، آپ کیا پڑھتے ہیں، مَیں تو چالیس پڑھتا ہوں، تیسرا کہتا ہے مَیں پچاس نفلیں پڑھتا ہوں، مَیں سو نفلیں پڑھتا ہُوں تو فخر کی بات یہ ہوگئی تھی کہ نفلیں زیادہ پڑھی جائیں تو ایک اُصول ہے۔ جیسا راجہ ویسا پرجا جیسا بادشاہ ویسی رعیت "الناس علی دین ملوکھم"۔ ظاہر بات ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ بادشاہ ہوں گے تو وہاں تو شر اور بُرائی کا نشان بھی نہیں الخیر کلہ منك والیك والشر لیس الیك ساری خیر و برکت تو اُس کی ہے جہاں بھی خیر ہے۔ وہ اُس کی ہے، شر اُس کے پاس نہیں پھٹک سکتی۔ نہ اُس کی ذات میں ہے نہ باہر کی شر وہاں تک جا سکتی ہے۔ وہ بری ہے ہر شر سے تو جب خیر مطلق بادشاہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ عالَم میں خیر پھیلے گی تو پہلی چیز یہ ہے کہ بادشاہ کے اندر خیر کا غلبہ ہونا چاہیے اور جب اللہ بادشاہ ہے تو وہاں خیر ہی خیر ہے۔ وہاں شر کا نشان ہی کوئی نہیں، پھر وہ خیر ایسی ہونی چاہیے کہ اپنی ذات ہی تک محدود نہ رہے، بلکہ وہ نکل کر دوسروں تک بھی پہنچے اگر اپنی ذات سے بہت با خیر ہے ایک شخص، مگر دوسروں کو اس کی خیر سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا تو دوسروں کے حق میں ہونا نہ ہونا برابر ہوا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی خیر یہ ہے کہ پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہے، ذرّے ذرّے کے اندر پھیلی ہوئی ہے اس لیے کہ بنانے والے تو وہ ہیں، وجود اُنھوں نے دیا اور وجود ہی سرچشمہ ہے ساری خیر و برکت کا تو جس کو وجود دیا اس میں خیر پھیلی ہوئی ہے تو اللہ کی خیر وہ ہے جو اُس کی ذات بھرپور

ہے خیر سے اور ذرّے ذرّے پر خیر اُس کی پھیل رہی ہے، اسی کا نام ہے شریعت کی اصطلاح میں "برکت"

برکت کسے کہتے ہیں؟ برکت کہتے ہیں کہ کسی چیز کی خاصیّت، بھلائی تو اُس میں ہو اور وہ پھیل کر دوسروں تک پہنچے تو کہیں گے وہ شے مُبارک ہے۔ اگر اس میں خیر نہ ہو یا اس میں کوئی اچھا خاصہ نہ ہو اور وہ دوسروں تک نہ جائے تو کہیں گے خیر و برکت کی بات نہیں۔ پانی ہے مثلاً اس کی خاصیّت ہے ٹھنڈک اس لیے کہ ٹھنڈا خود بھی ہے، دوسروں کے دِلوں میں بھی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے، اگر پانی پئیں اور ٹھنڈک نہ پہنچے تو کہیں گے کہ منحوس پانی ہے، برکت والا پانی وہ ہے جو خود بھی ٹھنڈک ہے اور دوسروں کو بھی پہنچ رہی ہے۔ ہوا کے اندر خیر یہ ہے کہ اس میں رطوبت ہے اور خیر یہ ہے کہ جہاں جہاں ہوا پہنچتی ہے رطوبت پہنچتی ہے اگر ہوا چلے اور رطوبت کے بجائے خشکی پھیل جائے، خشک سالی کہیں گے بڑی منحوس ہوا چلی اپنی خاصیّت نہ دکھلائی اس نے۔ تو جس شے میں خیر چھپی ہوئی ہو اور وہ خیر دوسروں تک پہنچ رہی ہو اور اُس میں روز بروز اضافہ ہی ہو اُس کو کہتے ہیں "برکت" اُس کو ظاہر فرمایا گیا کہ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ برکت والی ذات ہے اللہ کی یعنی وہ "وہ ذات ہے کہ ہر خیر اُس میں ہے اور اُس کی ہر خیر اُس کی مخلوق کو پہنچ رہی ہے تو معلوم ہوا کہ برکت کی ذات ہے اگر ساری خیر اُس میں ہوتی اور مخلوق کو نہ ملتی خیر تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ برکت والی ذات جو خود بھی خیر سے بھرپور اور دوسروں کو خیر پہنچ رہی ہو مُبارک ذات، خیر میں مثلاً علم میں بہت بڑا کمال تو حق تعالیٰ شانہٗ، سرچشمہ ہیں علوم کا اور اُس نے ذرّے ذرّے کے اندر علم دے دیا ہے اپنی اپنی بساط کے مطابق، تو برکت والی ذات ہے جو خود بھی علم سے بھرپور اور عالَم کے ذرّے ذرّے میں اُس کی شان کے مطابق علم بھیج دیا۔ عمل ہے تو خود بھی اس کی صناعی بے غبار اور بے داغ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ۔ اللہ کی صفت اتنی مضبوط ہے کہ اُس میں اُنگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی عیب نکال دے۔ آسمان کو جیسا بنایا بس ویسا ہی بننا چاہیے نہ کمی ہے نہ زیادتی، زمین کو جتنا بنایا ویسی ہی بنی چاہیے تھی نہ کمی نہ زیادتی۔ زمین اور آسمان کے اندر جتنا فصل ہے اُتنا ہی رہنا چاہیے تھا اُس سے کم ہو تب بھی مضر تھا زیادہ

ہو تب بھی مُضر۔ تو ہر چیز اپنے اپنے موقع پر فِٹ اور اپنی اپنی مقدار جس کو فرماتے ہیں کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ہر چیز کے خزانے ہمارے ہاں بے انتہا ہیں، مگر ہم اُتارتے ہیں عالم میں ایک مقدار اور اندازے کے مطابق جس کا تحمل کر سکے کائنات اتنا ہی دیتے ہیں تو روشنی لا محدود ہے مگر سورج کو اتنی دی جتنا وہ برداشت کر سکے، اُس کے ذریعے سے ہم تک اتنی پہنچائی کہ ہم تحمل کر سکیں۔ اگر اتنی تیز روشنی دیتے کہ ہر وقت چندھیائے رہتے لوگ اور بینائیاں زائل ہو جائیں تو کہتے کہ سورج برکت والا نہیں یہ تو نحوست ہے بینائیاں چھن گئیں تو اتنی روشنی دی کہ جس کو وہ تحمل کرے اور جس کو ہم برداشت کریں۔ چاند میں اتنی ٹھنڈک دی کہ جتنی اس کے مناسب تھی اور اتنی ہم تک پہنچائی کہ جس کو ہم برداشت کریں تو خیر بھی ہے اور خیر پھیل بھی رہی ہے اور اس خیر میں اضافہ بھی ہے۔ مخلوق آرہی ہے اور جارہی ہے، مگر خیر میں کمی نہیں ہے ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو، تو علم کی خیر، صفت کی خیر، عمل کی خیر، اخلاق کی خیر یہ ساری چیزیں پھیل رہی ہیں تو ظاہر ہے کہ وہی ذات بادشاہت کے لیے مناسب اور موزوں ہو سکتی ہے جو ہر خیر سے بھرپُور ہو۔ علم ہے تو لا محدود، صفت ہے تو لا محدود، اخلاقی کمالات ہیں تو لا محدود، برکات ہیں تو لا محدود تو مُبارک حقیقت میں اللہ کی ذات ہے جس میں کچھ اثر آجائے گا۔ اُسے کہیں گے برکت والا ہو گیا، مُبارک ہو گیا۔ دن میں ایک چیز اچھی ڈال دی تو کہا جاتا ہے بڑا مُبارک دن ہے آج، اس میں تو بڑی بھلائیاں پہنچی مخلوق کو۔ رات میں جو کوئی بھلائی نکل آئے، کوئی اچھا واقعہ پیش آئے تو کہا کرتے ہیں بھئی بڑی مُبارک رات تھی آج کی دیکھو کیسا واقعہ پیش آیا، تو مُبارک وہ چیز ہوتی ہے کہ اس کے اندر خود بھی خیر ہو اور وہ خیر دوسروں کو پہنچے اور اس میں گھٹنا نہ ہو بلکہ بڑھنا ہو۔ اضافہ ہی اضافہ ہو، اس کو "برکت" کہتے ہیں۔

اللہ کی ذات چونکہ برکتوں سے بھرپُور ہے
اس لیے بادشاہت کے لائق وہی ہے

توجب اللہ کی ذات برکتوں سے بھرپُور ہے تو بادشاہت کے لائق بھی وہی ہے اور کوئی بادشاہت کے لائق نہیں اگر ہو سکتا ہے تو اس کا نائب بننے کے لائق۔ جیسے انبیاء علیہم السّلام کو مُبارک بنایا۔ اُن کے علم میں برکت، اُن کے عمل میں برکت، اُن کے اخلاق میں برکت، اُن کے افعال میں برکت،

وہ کھانا سامنے رکھ دیں اُس میں برکت کہ ایک کا دو کو، دو کا دس کو کافی ہو جائے۔ برکت ہی برکت ہے تو وہ نائب بننے کے لائق ہیں بادشاہ اُنہیں بھی نہیں بنایا۔ یُوں فرمایا کہ بادشاہت ہماری ہے ہماری نیابت میں یہ حکمرانی کریں گے تو بادشاہ کے لیے سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ وہ خیر سے بھرپُور ہو، ارادے بھی اُس کے نیک ہوں۔ بدنیت نہ ہو۔ علم بھی اس کا صحیح ہو غلط نہ ہو، اخلاق بھی اُس کے اُونچے ہوں گھٹیلوے نہ ہوں، افعال بھی اس کے صحیح ہوں بے قاعدہ اور بدنظمی لیے ہوئے نہ ہوں اس واسطے کہا جائے گا کہ وہ بابرکت ہے تو فرماتے ہیں تَبَارَكَ مبارک ہے اللہ کی ذات کیونکہ ساری خیر اس میں ہے، ساری خیر پہنچ رہی ہے اور خیر میں اضافہ ہے، کوئی کمی نہیں ہے تو پہلی چیز تو آگئی کہ بادشاہ کے لیے شرط تھی کہ اس کی ذات بھرپُور ہو خیر سے، اس میں بُرائی کا نشان نہ ہو تو تَبَارَكَ کے لفظ سے تو اپنی ذات کی نوعیت بیان فرمائی کہ برکت والی ہے اور برکت کہتے اُسے ہیں کہ ہر خیر جمع ہو اور دوسروں تک پہنچے۔

بادشاہ کے لیے دوسری ضروری چیز مُلک پر اس کا قبضہ ہونا ہے

دوسری چیز بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ جس مُلک میں حکمرانی کرے وہ قبضہ میں ہو اور جو قبضہ ہی سے باہر نکلا ہُوا ہو یعنی حُکام ہاتھ میں نہیں بدنظمی پھیل رہی ہے۔ بھاؤ غلط ہو رہے ہیں دخل فصل ہو رہا ہے تجارت میں، رشوتیں لی جا رہی ہیں اور حکومت کو قابُو حاصل نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ اُس کے قبضہ میں نہیں ہے۔ زبردستی لیا قبضہ میں مگر چلا نہیں سکتی۔ حکومت اپنے قبضے کو، ہاتھ پلّے کچھ پڑا نہیں، نہ پبلک کے ہاتھ پلّے پڑا نہ بادشاہ کے ہاتھ پلّے پڑا اور یُوں ڈگرا اپنا چل رہا ہے تو چلتا رہا، لیکن حقیقتاً جسے قابُو میں آنا کہتے ہیں وہ "وہ" ہے کہ حُکام کی گرفت ہو اُس پر ذرا اِدھر اُدھر نہ ہٹ سکے اور تھوڑا ہٹے تو بادشاہ کا علم وسیع ہے تو وہ فوراً دارو گیر کرتا ہے اور سب سنبھل جاتے ہیں تو بادشاہ کے لیے علم کی وسعت اور قبضے اور اقتدار کی وسعت ہونی چاہیے۔ اگر مُلک قابُو میں نہ آئے تو ظاہر بات ہے کہ حکومت نہیں چل سکتی اور چلے گی تو ظُلم اور جور کی حکومت ہو گی بدنظمی کی حکومت، تو پہلی شرط یہ ہے کہ بادشاہ باخبر ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا قبضہ صحیح ہو، قابُو سے نکلی ہُوئی نہ ہو بات۔

شاہجہان کے ولیعہد مقرر کرنے کا قصّہ

کہتے ہیں کہ جب شاہجہان بادشاہ نے ولیعہد بنانا چاہا تو دو بیٹے ہیں ایک اورنگ زیب اور ایک دارا شکوہ تو دارا شکوہ کے لیے شاہ جہان کا خیال تھا کہ وہ بڑا بھی تھا اورنگ زیب سے اور بادجاہت بھی اور ملکہ بھی یہی چاہتی تھی کہ دارا شکوہ بادشاہ بنے ہندوستان کا اور عام پبلک کے لوگ بھی یہی چاہتے تھے، لیکن وزیر اعظم کی رائے یہ تھی کہ اورنگ زیب ہے بادشاہت کے لائق، دارا شکوہ بادشاہت کے لائق نہیں، سنبھال نہیں سکے گا ــــــ ملک کو اس کے قلب میں اتنی جان نہیں۔ بہرحال یہ چل رہا تھا قصّہ تو وزیرِ اعظم نے امتحان لیا کہ دونوں کا امتحان کراؤں اور ساتھ میں ایک پارٹی کو لیا تاکہ جو امتحان ہو سب کے سامنے آجائے تو اُس نے سب سے پہلے دارا شکوہ کے یہاں اطلاع کرائی کہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ دارا شکوہ نے استقبال کا سامان کیا، مُلک کا وزیرِ اعظم آرہا ہے تو بڑے ... اور حشم خدم اور بڑی آؤ بھگت کے ساتھ وزیرِ اعظم کو بلایا اور اس کی شان عالی شان اُس کا استقبال کیا اور مسند بچھائی اور اپنے برابر اُس کو بٹھایا قریب کیا خیر وزیرِ اعظم بیٹھ گیا۔ اَب وزیرِ اعظم نے کچھ سوالات کرنے شروع کیے کہ دکن میں چاولوں کا کیا بھاؤ ہے؟ تو دارا شکوہ جواب نہ دے سکا، بنگال میں کیا بھاؤ ہے؟ پتہ نہیں سونے کا کیا بھاؤ ہے؟ کچھ پتہ نہیں مگر تعظیم و تکریم بہت کی۔ خیر وزیرِ اعظم وہاں سے واپس آیا۔ اس کے بعد اطلّاع کرائی اورنگ زیب کے یہاں کہ میں آنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا آجاؤ۔ اورنگ زیب نے نہ کوئی استقبال کا سامان کیا جیسا اُس کا مکان تھا ویسے ہی بیٹھے رہے بلکہ اور ذرا لاابالی پن میں سَر وَر پھیلا کر بیٹھ گئے۔ وزیرِ اعظم آئے تو بہت استغناء تھا، کوئی تعظیم تکریم خاص نہیں اس واسطے کہ جانتے تھے اورنگ زیب کہ امتحان لینے آرہا ہے تو ممتحن کی آؤ بھگت کے معنیٰ تملق اور خوشامد کے ہوتے، کہ میں ہوں تو نہیں اس قابل مگر پاس کر دینا نمبر دے دینا۔ اورنگ زیب چونکہ خود علم رکھتا تھا مُلک کے تمام اطراف وجوانب کا اس لیے اس میں استغناء تھا اور استغناء کے ہوتے ہُوئے ضرورت نہیں کہ تملق اور خوشامد کرے تو بُہت استغناء سے بیٹھا۔ وزیرِ اعظم آئے تو خاص تکریم نہیں کی کہا السّلام علیکم! وعلیکم السّلام! بیٹھ جاؤ۔ اب اُس نے پُوچھنا شروع کیا۔ تو اُس نے چار ہی سوال کیے اور نگ زیب نے پُورے مُلک کی حقیقت بتلادی کہ فلاں جگہ یہ

بھاؤ ہے، فلاں جگہ حکام بد نظمی میں مُبتلا ہیں اور فلاں جگہ عدل و انصاف ہو رہا ہے، فلاں حاکم ہیں صاحب اُس کی ذہنیت ایسی اور وہ ذرا سی ذہنیت کا، الغرض پُورے ملک کا ایک نقشہ کھینچ دیا۔ اب یہ بیچارا جب اُسے تو خود اتنی معلومات نہیں تھیں۔ وزیرِ اعظم کو جتنا اس شہزادہ کو معلومات تھیں آیا شاہ جہاں کے پاس۔ شاہ جہاں نے پُوچھا کیا اثر لے کر آئے اُس نے کہا جہاں پناہ تو یہ چاہتے ہیں کہ دارا شکوہ ہو بادشاہ اور اللہ یہ چاہتا ہے کہ اورنگ زیب ہو بادشاہ اور اللہ ہی کا چاہا پُورا ہو گا اس کے بعد حالات سُنائے، تو بات وہی تھی کہ جو قابُو پا سکے مُلک پر وہی بادشاہ بنانے کے لائق ہے اور قابُو وہ پائے گا جس کا علم صحیح ہو۔ علم کے وسائل صحیح ہوں کہ کہاں کیا چیز گزر رہی ہے؟ رعایا میں بے چینی ہے، بد نظمی ہے، سکون ہے امن ہے بد امنی ہے۔ ظلم تو نہیں کر رہے حُکام، تاجروں کو دیکھا جائے کہ بلیک میں تو مُبتلا نہیں ہیں، نفع خوری میں تو مُبتلا نہیں ہیں، حُکام رشوت ستانی میں تو مُبتلا نہیں۔ تمام چیزوں کی اطلاع ہو اور علم ہونے کے بعد قدرت اور قوّت بھی حاصل ہو کہ طاقت سے اُن کو ہٹایا جا سکے بُرائی سے۔ اگر قبضے میں ہی نہیں مُلک تو حکومت نہیں چل سکتی اس لیے حق تعالیٰ نے پہلی تو اپنی ذات کی شان فرمائی تَبَارَكَ مُبارک ذات ہے جس میں ہر خیر جمع ہے ہر خیر کا سر چشمہ ہے اور اُس سے خیر پھیل رہی ہے اور دوسری شان یہ ہے کہ اَلَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ۔ اس کے ہاتھ میں ہے مُلک۔ ذرہ برابر ادھر اُدھر نہیں چل سکتا۔ ممکن نہیں ہے کہ اُس کی منشاء کے خلاف کوئی چل جائے۔ ٹھیک ٹھیک اس کی منشا پر چلے گا۔ جو قضاء و قدر اُس نے کر دی ہے۔ دُنیا پابند ہے اُس کی، کائنات پابند ہے سارے جہان مل کر اُسی کے اِرد گرد گھومیں تو بِیَدِہِ الْمُلْكُ

بادشاہ کے لیے تیسری چیز اقتدار حاصل ہونا ہے

اور تیسری چیز فرمائی کہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر وہ قادر ہے اور جب قدرت اُسے ہر چیز پر حاصل ہے، اقتدار ہر چیز پر حاصل ہے تو با اقتدار کے آگے چُوں نہیں کر سکتا کوئی اُسے تو ڈر ہو گا کہ کہیں مجھے معزول نہ کر دے تو تین وصف بیان فرمائے ایک برکت اور ایک قدرت (قبضہ) اور ایک چیز اقتدار اپنا۔ تو یہ تین چیزیں انتہائی ضروری ہوتی ہیں حکومت کے لیے۔ یہ لامحدود طریق پر اُسی کی ذات میں موجود ہیں تو بادشاہت کے لائق بھی اُس کی ذات ہے۔

مولانا عبد الحفیظ صاحب
فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

آخری چہار شنبہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

شیطان مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم کھا کر آیا ہے کہ میں ضرور مسلمانوں کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایسے افعال و اعمال میں مبتلا کر دے جن کا دین و شریعت سے دور کا بھی واسطہ اور تعلق نہ ہو اور مسلمان اُسے دین و عبادت سمجھ کر کرتے رہیں اور اُنہیں توبہ کی بھی توفیق نہ ہو، اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھیں اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے خسر الدنیا والآخرۃ،

؎ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

چنانچہ شیطان اور اس کے انسانی چیلوں چانٹوں نے مسلمانوں میں بہت سی ایسی بے سروپا باتیں مشہور کر رکھی ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اُنہیں میں سے ایک آخری چہار شنبہ (ماہ صفر کا آخری بدھ جو عوام میں سیر بدھ کے نام سے مشہور ہے۔) بھی ہے اس کے متعلق عوام میں یہ مشہور ہے کہ اس دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت فرمایا تھا اور سیر و تفریح فرمائی تھی اس لیے اس دن کو ناواقف اور سادہ لوح مسلمان مرد اور عورتیں خوشی کا دن سمجھ کر باغات میں سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ کاروبار بند رکھتے ہیں۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، شیرینی تقسیم کرتے اور عمدہ قسم کے کھانے پکانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

مسلمان بھائیو! مسلمانوں کے تینوں بڑے فرقے دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اس پر متفق ہیں کہ آخری چہار شنبہ (آخری بدھ) کے روز رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز ہوا تھا

اور اسی مرض میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔

مشہور مؤرخ ابن سعد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

"چہارشنبہ ۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض کا آغاز ہوا۔"

(طبقات ابن سعد ص ۲۰۶ ج ۲ طبع بیروت)

(نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون صفحہ ۸۴۸ ج ۲ طبع بیروت)

(دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۱۸ ج ۱)

حضرت مولانا محمدؒ ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپؐ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ اہلِ بقیع (قبرستان مدینہ منوّرہ) کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہوگیا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی، یہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن اور بدھ (چہارشنبہ) کا روز تھا۔"

(سیرت المصطفٰے جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمدؒ شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"۲۸ صفر ۱۱ھ چہارشنبہ (بدھ) کی رات میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جاکر اہلِ قبور کے لیے دُعاءِ مغفرت کی۔۔۔ وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بُخار ہوگیا اور یہ بُخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی۔

(سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۱۴۱)

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتوٰی

"آخری چہارشنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شدّتِ مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی۔ وہ اب جاہل ہندیوں میں رائج ہوگئی۔"

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ (فتاوٰی رشیدیہ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ کراچی)

بریلوی مکتبۂ فکر کے اعلٰی حضرت احمد رضا خان بریلوی کا فتوٰی

"آخری چہارشنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات ہوئی اُس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔"

(احکامِ شریعت ص ۱۸۳ ج ۳)

بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک دوسرے عالمِ دین امجد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی ہوئی ہیں سب خلافِ واقع ہیں۔"

(بہارِ شریعت ص ۲۴۲ ج ۱۶ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور)

قطع نظر ان تمام باتوں کے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کل تیرہ دن بیمار رہے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ آپؐ نے سوموار کو وصال فرمایا ہے اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپؐ کے مرضِ وفات کے آغاز کا دن بدھ ہی بنتا ہے۔ اس طرح کہ بدھ سے دوسری بدھ تک ۸ یوم اور جمعرات سے سوموار تک ۵ یوم ۸ + ۵ = ۱۳ لہٰذا مرضِ وفات کا آغاز بدھ ہی سے ہوا۔

مذکورہ بالا حوالجات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ماہ صفر کا آخری بدھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا، درحقیقت بات یہ ہے کہ آخری چہار شنبہ یہودیوں اور ایرانی مجوسیوں کی رسم ہے جو ایران سے منتقل ہوکر ہندوستان میں آئی ہے اور یہاں کے بے دین بادشاہوں نے اسے پروان چڑھایا، حوالہ کے لیے دیکھیے (دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ص ۱۸، ۱۹ ج ۱)

لہٰذا یہ یہود و ہنود کی خوشی کا دن تو ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کا نہیں۔

مسلمانوں کا اسے بطورِ تہوار و خوشی منانا ناجائز و حرام ہے۔

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس یہودیانہ رسم کو اپنا کر کہیں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرضِ وفات کا جشن تو نہیں منا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں
مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے

فرمودات شیخ الاسلام

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

شیخ الاسلام حضرت الامام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات سے نصیحتوں ، سبق آموز حکایات اور دیگر کام کی باتوں کا انتخاب، جو ہمارے لیے نہایت مفید ہیں۔
مرتب : حافظ تنویر احمد شریفی الخطاطؒ۔ ناظم اعلیٰ تنظیم القراء و الخطاط ٹرسٹ، پاکستان۔

موت کا مزہ

فرمایا کہ "جب کسی عظیم الشان مقصد کا ارادہ کرو تو تاروں سے کم پر نہ قناعت کرو۔ کیونکہ کسی حقیر کام میں موت کا مزہ بڑے کام میں موت کے مزے جیسا ہے، اس فرصت کو غنیمت جانو، اور اُس کو ضائع مت کرو[1]"

مصائب دُنیا، آخرت کے مصائب کے سامنے ہیچ ہیں

فرمایا: "مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ (یعنی اللہ تعالیٰ جس کی بہتری کا ارادہ کرتا ہے، اس کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے) کی بناء پر شکر کا موقع ہے۔ مصائب دُنیا آخرت کے مصائب کے سامنے ہیچ ہیں۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اے اہلِ بیتِ رسول، اللہ کا ارادہ ہے کہ تمہارے رجس کو دُور کر دے اور تم کو پُوری طرح پاک و صاف کر دے) کی تفسیر ان مصائب اور آلام سے بھی کی گئی ہے۔ اس لیے درحقیقت خوشی اور اطمینان کا مقام ہے[2]۔"

خُدا تک پہنچنے کا راستہ

فرمایا کہ: اگر خُدا کی جانب سے مصیبت اور آزمائش نہ ہُوا کرتی تو خُدا تک پہنچنے کا راستہ ہی مفقود ہو جاتا[3]۔

آزمائش محبین کے لیے تحفہ

فرمایا کہ: "ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصیبت اور آزمائش محبین اور عاشقانِ مولا کے

[1] مکتوب ۱۳ ج ا ص ۹۲ ۔ [2] مکتوب ۱۵ ص ۹۳ ج ا [3] مکتوب ۱۶ ص ۹۴ ج ا ۔ (باقی صفحہ ۵۴ پر)

ڈاکٹر ابو عبدالرحمٰن

تلامذہ شیخ الاسلام حضرۃ مولانا حسین احمد مدنی رح

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری

آپ نہٹور ضلع بجنور میں ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا صاحب قصبہ "منڈاور" کے رہنے والے تھے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں اُن کے والدین قتل کر دیے گئے تھے، وہ بہت ہی کمسن تھے، اُن کی پرورش "ترکولہ" کے ایک سیّد نے کی تھی، وہیں وہ رہا کرتے تھے اور اسی خاندان میں ان کی شادی بھی ہوئی، بعد میں کسی وجہ سے آپ کے دادا صاحب نے "نہٹور" کی سکونت اختیار کر لی۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے مڈل کا امتحان پاس کیا اور ایک سال کے بعد بورڈ کے پرائمری اسکول میں مدرس بنا دیے گئے۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے سرکاری اسکول کی مدرسی سے استعفیٰ دے کر قرآن شریف اور فارسی کا آمد نامہ حضرت مولانا حامد حسن صاحب گنگوہی رح تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح سے پڑھنا شروع کیا، صرف دو سال کے عرصہ میں آپ نے اُن سے فارسی میں گلستاں تک اور عربی میں مختصر المعانی، شرح وقایہ اور سُلّم وغیرہ تک درسِ نظامی کی سب کتابیں پڑھیں

اعلیٰ تعلیم ۱۹۵۱-۵۲ء میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا، اور ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء میں شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح سے دَورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ دَورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے دارالافتاء میں مولانا سیّد مفتی مہدی حسن رح سے فتاویٰ نویسی کی مشق کی اور اس کے ساتھ ساتھ حکیم سیّد محفوظ علی صاحب سے فنِ طب کی تکمیل کی۔

صُوفیانہ مسلک فراغت دَورۂ حدیث کے بعد آپ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رح سے بیعت ہوئے اور روحانی اسباق کی تکمیل کی۔ حضرت مدنی رح نے رمضان ۱۳۷۴ھ کو قیام ٹانڈہ کے موقع پر آپ کو بیعت کرنے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

تدریسی خدمات فراغت کے بعد مختلف مدارس میں پڑھانے کے بعد اَب کئی سال سے مدرسہ عربیہ رحیمیہ مدینۃ العلوم بجنور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف آپ کی تصانیف میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔
۱۔ تذکرہ مشائخ دیوبند۔ ۲۔ تذکرہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ مطبوعہ ۱۹۶۵ء بجنور، کتابی سائز ۳۶۶ صفحات، مدینہ پریس، ۳۔ محبت والے۔ ۴۔ انفاسِ قدسیہ مطبوعہ ۱۳۷۷ھ بجنور صفحات ۴۰، کتابی سائز۔ ۵۔ وصایا۔ ۶۔ امام طحاوی۔ ۷۔ اشرف الجواب۔ ۸۔ انوار الباری (بخاری شریف کی اُردو شرح)۔ ۹۔ نور الھدایہ۔ ۱۰۔ حیات امام اعظم ابوحنیفہ طبع اوّل ۱۹۶۴ء بجنور ۳۲۰ صفحات ۱۸ x ۲۲/۸ سائز۔ ۱۱۔ حیات مولانا محمد یوسفؒ۔ ۱۲۔ سیرتِ خیر العباد۔

مولانا سیّد نور الحسن بخاری

۱۹۱۱ ——— ۱۹۸۴ء

آپ ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا اسم گرامی سیّد شاہ محمد شاہ ہے۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے، انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ سکول ماسٹر رہے۔ ۱۳۵۵ھ میں ملازمت سے رُخصت لے کر دارالعلوم دیوبند پہنچے، مولانا قاری محمد طیب قاسمی نے آپ کی ابتدائی تعلیم کے لیے ممتاز طلبہ کو مقرر کیا جن سے آپ نے جلد ابتدائی تعلیم مکمل کرلی، ۱۳۵۷ھ کے دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھ کر سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد ۱۹۴۵ء میں تنظیم اہلِ سُنّت کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس وقت سے آج تک اس کے تبلیغی کاموں میں سرگرم عمل ہیں۔

آپ پاکستان کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ آپ ایک آتش نوا خطیب، بہترین ادیب، مصنف شاعر اور صحافی بھی ہیں، آپ کی دو درجن سے زائد تصانیف ہیں جن میں الاصحاب فی الکتاب۔ چھ سو سے زائد صفحات کی یہ کتاب ۱۹۵۳ء میں سیفٹی ایکٹ کی اسارت کے دوران میں لکھی۔ سیرت امام مظلوم سیّدنا عثمانؓ، شہادت امام مظلوم، توحید اور شرک کی حقیقت، حضرت امیر معاویہ، عادلانہ دفاع، نبی و صدّیق اور بشریت النبیؐ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۵ جنوری ۱۹۸۴ء کو وصال ہوا۔

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اسلام اور کسبِ حلال

قارئین محترم گزشتہ شمارہ میں "اکلِ حلال" سے متعلق کچھ باتیں عرض کی گئی تھیں۔ اس مضمون میں "کسبِ حلال" کے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جائیں گی،

دینِ اسلام میں جس طرح حلال کھانے کی تاکید اور حرام سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی طرح حلال کمانے کی ترغیب اور اُس کی فضیلت بھی ذکر کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ، (۶۲ : ۱۰)

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

اس آیت مبارکہ میں مفسرین کرام نے اللہ کے فضل کو ڈھونڈنے سے روزی تلاش کرنا اور اُس کی جستجو میں لگنا مراد لیا ہے، گویا اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو رزق کی تلاش اور جستجو میں لگ جاؤ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ وَاَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاؤدَ علیہ السّلام کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ" [1]

کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

"اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ" [2] (الحدیث) بلاشبہ جو کچھ تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو تمہیں کمائی سے حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۲۷۸　[2] مشکوٰۃ ص ۲۴۲

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ" [۱]

حلال روزی کمانا فرض کے بعد ایک فرض ہے

ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ" [۲]

پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

ایک دفعہ ایسا ہُوا کہ

"انصار میں سے ایک صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ مانگنے لگے، آپ نے فرمایا کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا کیوں نہیں ایک موٹی سی کملی ہے جس کا ایک حصّہ اوڑھ لیتا ہوں اور ایک حصّہ بچھا لیتا ہوں، نیز ایک پیالہ بھی ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ، چنانچہ وہ صاحب دونوں چیزیں لے کر حاضر ہُوئے، آپ نے وہ دونوں چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا، ان چیزوں کو کون خریدتا ہے؟ ایک صاحب بولے مَیں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں خریدنے کے لیے تیّار ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ چیزیں ایک درہم سے زیادہ میں کون خریدے گا؟ آپ نے یہ دو یا تین بار ارشاد فرمایا، ایک صاحب بولے یہ چیزیں میں دو درہموں میں خریدتا ہُوں۔ آپ نے وہ دونوں چیزیں اُن صاحب کو دے دیں اور اُن سے دو درہم لے کر انصاری کو دیے اور اُن سے فرمایا اس میں سے ایک درہم کا کھانے کا سامان خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔

چنانچہ وہ انصاری کلہاڑی خرید کر آپ کے پاس لائے، آپ نے اس کلہاڑی میں اپنے دستِ مُبارک سے ایک مضبوط لکڑی لگادی اور ان سے فرمایا اسے لے کر جاؤ لکڑیاں (کاٹ کر) جمع کرو اور انہیں فروخت کرو۔ اَب اس کے بعد مَیں تمہیں پندرہ دن تک یہاں نہ دیکھوں، وہ صاحب چلے گئے

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۲۴۲ [۲] ترمذی ج ۱ ص ۲۲۹

اور لکڑیاں جمع کر کے فروخت کرنے لگے (کچھ دن بعد) جب وہ آپ کی خدمت میں آئے تو دس درہم کے مالک بن چکے تھے۔ اُنہوں نے اِن درہموں میں سے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلّہ، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا یہ صورتِ حال تمہارے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کل قیامت کے دن تم اس حالت میں آؤ کہ تمہارا سوال (مانگنا) تمہارے مُنہ پر بُرے نشان (یعنی زخم) کی صورت میں ہو۔[1]

آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ سے واضح ہو رہا ہے کہ ایک مُسلمان کے فرائض میں رزق حلال کی جستجو بھی داخل ہے اور رزق حلال کمانے کی جستجو پر اُسے اللہ کی طرف سے اَجر بھی ملتا ہے حتّٰی کہ سچّائی اور ایمانداری سے تجارت کرنے والے کو قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کی معیت نصیب ہوگی جو ایک بہت بڑی سعادت ہے۔

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء کرام نے بھی گزر بسر کے لیے اپنے ہاتھوں سے مختلف کام کیے ہیں۔ چنانچہ

○ حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی کی ہے آٹا پیسا ہے، روٹی پکائی ہے۔

○ حضرت ادریس علیہ السلام نے لکھنے کا اور درزی کا کام کیا ہے، (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ "ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور حساب بطورِ معجزہ عطا کیا گیا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا۔ ان سے پہلے لوگ عموماً جانوروں کی کھال بجائے لباس استعمال کرتے تھے، اور سب سے پہلے ناپ تول کے طریقے بھی آپ نے ہی ایجاد فرمائے اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ سے شروع ہوئی آپؑ نے اسلحہ تیار کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔"[2])

○ حضرت نوح علیہ السّلام نے لکڑی تراش کر کشتی بنائی ہے جو کہ بڑھئی (ترکھان) کا کام ہے، (ارشاد باری ہے "وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا" ۱۲:۳۷ اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے، (ترجمہ حضرت شیخ الہند) اس لحاظ سے حضرت نوح علیہ السّلام بحری جہاز کے موجد ہوئے۔)

○ حضرت صالح علیہ السّلام بھی تجارت کرتے تھے۔

○ حضرت ذوالقرنین جو بہت بڑے بادشاہ تھے اور بعضوں نے اُن کو پیغمبر بھی کہا ہے وہ زنبیل

---

[1] ابوداود ج ۱ ص ۲۳۲، [2] معارف القرآن ج ۶ ص ۴۱

ٹوکری بُنتے تھے۔

○ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کھیتی کی ہے اور تعمیر کا کام کیا ہے۔ خانہ کعبہ بنایا تھا۔

○ حضرت لوط علیہ السّلام کھیتی کرتے تھے۔

○ حضرت اسماعیل علیہ السّلام تیر بنا کر نشانہ لگاتے تھے

○ حضرت اسحٰق علیہ السّلام، حضرت یعقوب علیہ السّلام اور اُن کے سب فرزند بکریاں چراتے تھے اور ان کے بال بچّوں کو فروخت کرتے تھے۔

○ حضرت یُوسف علیہ السّلام نے غلّہ کی تجارت کی ہے جب قحط پڑا تھا۔

○ حضرت ایُّوب علیہ السّلام کے یہاں اُونٹ اور بکریوں کے بچّے بڑھتے تھے اور کھیتی ہوتی تھی۔

○ حضرت شعیب علیہ السّلام کے یہاں بکریاں چرائی جاتی تھیں۔

○ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے کئی سال بکریاں چرائی ہیں۔

○ حضرت ہارون علیہ السّلام نے تجارت کی ہے۔

○ حضرت الیَسَعؑ علیہ السّلام کھیتی کرتے تھے۔

○ حضرت داوٗد علیہ السّلام زرہ بناتے تھے جو لوہار کا کام ہے، دارشاد باری ہے۔ "وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ الآیہ: ۳۴ : ۱۱-۱۲

اور نرم کر دیا اس کے آگے لوہا کہ بنا زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں۔

ایک مقام پر یُوں ارشاد فرمایا

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ" ج ۲۱: ۸۰)

اور اس کو سکھلایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری لڑائی میں (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ) اس لحاظ سے حضرت داوٗد علیہ السّلام زرہ کے موجد ہُوئے)

○ حضرت لقمان علیہ السّلام بڑے حکمت والے عالم ہُوئے ہیں اور بعضوں نے ان کو پیغمبر بھی کہا ہے اُنھوں نے بکریاں چرائی ہیں۔

○ حضرت سلیمان علیہ السّلام زنبیل بُنتے تھے۔

لہ مسلم ج ۲ ص ۲۶۸

(باقی صفحہ ۵۴ پر)

(مضامین علمیہ)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ہمارے اکابر کا اصل مسلک

ایک رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے نام سے مکتبہ خانقاہ اقبالیہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ ٹائٹل پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا نام رسالہ کے مرتّب کے طور پر درج ہے۔ چونکہ اس رسالہ کی ترویج و اشاعت سے بہت فساد کا اندیشہ تھا (اگرچہ مصنّف و مرتّب کی نظر میں اندیشہ مغلوب ہے) اس لیے ہمارے حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب مدظلہ العالی کی رائے عالی یہ ہوئی کہ اکابر کا مسلک صحیح صحیح پیش کر دیا جائے اور مرتّب رسالہ کو جو غلط فہمی ہوئی اس کا ازالہ بھی کر دیا جائے۔ امتثالاً للامر یہ چند صفحات لکھے گئے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

پہلی فصل: محفل میلاد اور عُرس وغیرہ کے بارے میں اکابرینِ دیوبند کا مسلک

اس رسالہ میں مصنّف نے مجلسِ میلاد، عرس اور فاتحہ خوانی کے جواز و اختیار کے حق میں کچھ باتیں ذکر کی ہیں لیکن تعجّب کی بات ہے کہ ان مجالس کے عقد کے حق میں مصنّف نے ایک بھی شرعی دلیل ذکر نہیں کی، بس کچھ مکاشفات اور کچھ واقعات پر اکتفا کیا ہے۔ یہ عجیب طرزِ استدلال ہے اور مانعین کے دلائل کو سمجھے بغیر اُن کی طرف سدًا للباب کو بطور ممانعت کے سبب کے منسوب کیا ہے۔ لکھتے ہیں

"... لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ مختلف فیہ معمولات اور فروعی مسائل کے متعلق حاجی صاحبؒ کی رائے اور عمل دیوبندی علماء کے نزدیک اصلاً ہرگز شرک یا بدعت وضلالت نہیں ہو سکتی۔
کچھ حضرات صحیح اعتقاد کے ساتھ حاجی صاحبؒ کے طریقہ پر ان معمولات کے عامل رہے اور ہیں۔"

"اور جو امر ہیئت کذائیہ اور قیوودات مروّجہ کے ساتھ شرعًا واجب نہ تھا اور اس میں منکرات عملی و اعتقادی شامل ہو گئیں تو اس امر سے سداللباب کے لیے عارضی طور پر بالکل ہی پرہیز کرایا گیا۔"

ہم ان مجالس کے بارے میں اصل مسئلہ کو اکابرینِ دیوبند کی عبارات کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔

ان مجالس کو اہتمام و تداعی کے ساتھ کرنا بدعت اور ناجائز ہے

(۱) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"مجیب کے برادران ذکر مولود کو مندوب کہتے ہیں بشرطیکہ تداعی و اہتمام سے خالی ہو ورنہ کراہت کے مقر ہیں"۔ (انوار ساطعہ ص ۶۴)

(۲) واعظ جامع مسجد سہارن پور مولانا امیر باز خان صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ۔

"التزام مجلس میلاد بلاقیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں و علی ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرون ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔ (انوار ساطعہ ص ۶۴)

(۳) مولانا تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد خیر القرون کے جو چیزیں ایجاد کی گئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ کہ ان کا سبب داعی بھی جدید ہے اور وہ موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں کہ بغیر ان کے اس مامور بہ پر عمل نہیں ہو سکتا جیسے کتبِ دینیہ کی تصنیف اور تدوین مدرسوں اور خانقاہوں کی بناء کہ حضورؐ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی شے نہ تھی اور سبب داعی اُن کا جدید ہے اور نیز یہ چیزیں موقوف علیہ ایک مامور بہ کی ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے۔ اس کے بعد سمجھیے کہ زمانہ خیریت نشانہ میں دین کی حفاظت کے لیے وسائط محدثہ میں سے کسی شے کی ضرورت نہ تھی۔ تعلق مع اللہ یا بلفظ آخر نسبت سلسلہ سے بہ برکت حضرت نبوت سب مشرف تھے۔ قوتِ حافظہ اس قدر قوی تھی کہ جو کچھ سُنتے تھے۔ وہ سب نقشِ کالحجر ہو جاتا تھا۔ فہم ایسی عالی پائی تھی کہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ سبق کی طرح اُن کے سامنے تقریر کریں۔ ورع اور تدیّن بھی غالب تھا۔ بعد اس زمانہ کے دوسرا زمانہ آیا۔ غفلتیں بڑھ گئیں قویٰ کمزور ہو گئے۔ اور اہل ہوا اور عقل پرستوں کا غلبہ ہوا۔ تدیّن مغلوب ہونے لگا۔

پس علماء اُمت کو قوی اندیشہ دین کے ضائع ہونے کا ہوا۔ پس ضرورت اس کی واقع ہوئی

کہ دین کی بجمیع اجزا تدوین کی جائے، چنانچہ کتبِ دینیہ حدیث اصولِ حدیث فقہ اصولِ فقہ، عقائد میں تصنیف ہوئیں اور ان کی تدریس کے لیے مدارس تعمیر کیے گئے۔ اسی طرح نسبت سلسلہ کے اسباب تقویت وابقاء کے لیے بوجہ عام رغبت نہ رہنے کے مشائخ نے خانقاہیں بنائیں اس لیے کہ بغیر ان چیزوں کے دین کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی۔ پس یہ چیزیں وہ ہوئیں کہ سبب ان کا جدید ہے کہ وہ سبب خیر القرون میں نہ تھا اور موقوف علیہ حفاظتِ دین مامور بہ کی ہیں پس یہ اعمال گو صورتاً بدعت ہیں، لیکن واقع میں بدعت نہیں، لیکن حسب قاعدہ "مقدمۃ الواجبِ واجبٌ" واجب ہیں۔

دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جن کا سبب قدیم ہے جیسے مجالس میلاد مروّجہ اور تیجہ دسواں چہلم وغیرہ من البدعات کہ اُن کا سبب قدیم ہے۔ مثلاً مجلسِ میلاد کے منعقد کرنے کا سبب فرح علی الولادۃ النبویہ ہے اور یہ سبب حضورؐ کے زمانے میں بھی موجود تھا، لیکن حضورؐ نے یا صحابہ نے یہ مجالس منعقد نہیں کیں۔ نعوذ باللہ صحابہ کا فہم یہاں تک نہیں پہنچا۔ اگر سبب اس کا اس وقت نہ ہوتا تو البتہ یہ کہہ سکتے کہ منشاء اس کا موجود نہ تھا، لیکن جبکہ باعث اور بناء اور مدار موجود تھا پھر کیا وجہ ہے کہ نہ حضورؐ نے کبھی مجلسِ میلاد منعقد کی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ ایسی چیزوں کا حکم یہ ہے کہ وہ بدعت ہیں صورۃً بھی اور معنًی بھی اور حدیث مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ میں داخل ہو کر واجب الرد ہیں اور پہلی قسم مَا مِنْهُ میں داخل ہو کر مقبول ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سُنّت کے پہچاننے کا۔ اس سے تمام جزئیات کا حکم مستنبط ہو سکتا ہے۔"

(میلاد النبی ص ۱۳۶ تا ۱۴۰)

اصلاح الرسوم میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"مولود شریف کی محفل کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا جدا حکم ہے۔

پہلی صورت: وہ محفل جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ سب قیود سے مطلق ہو، مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے، کسی نے اُن کو اہتمام کر کے نہیں بلایا یا کسی اور مباح ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضورِ پُرنور سرورِ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ ولادتِ شریفہ و دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مبارک صحیح صحیح روایات سے بیان کر دیا گیا اور اثنائے بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف

بیان احکام کی دیکھی جائے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا یا اصل میں اجتماع استماع وعظ و احکام کے لیے ہو اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ وفضائل کا بیان بھی آگیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلانکیر جائز بلکہ مستحب و سُنّت ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے حالات وکمالات اسی طریق سے بیان فرمائے ہیں اور آگے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو روایت کیا جس کا سلسلہ محدثین میں آج تک بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے اور تابقائے دین رہے گا۔

دوسری صورت: وہ محفل جس میں قیود غیر مشروعہ موجود ہوں جو کہ اپنی ذات میں بھی قبیح و معصیت ہیں مثلاً روایات موضوعہ خلاف واقعہ بیان کی جائیں... یا لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام بہت مبالغہ سے کیا جائے کہ اس قدر اہتمام نماز وجماعت و وعظ کے لیے بھی نہ ہوتا ہو.... الخ یہ وہ صورت ہے جو اکثر عوام وجہلا میں شائع وذائع ہے اور شرعًا بالکل ناجائز وگناہ ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کسی ختنہ میں بلائے گئے تو آپ نے انکار فرما دیا۔ کسی نے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبرِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ مُبارک میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بُلائے جاتے تھے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جس کام کے لیے لوگوں کو بُلانا سُنّت سے ثابت نہیں اس کے لیے بلانے کو صحابی نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ بُلانا دلیل ہے اہتّمام کی، تو شریعت نے جس امر کا اہتمام نہیں کیا اس کا اہتمام کرنا دین میں ایجاد کرنا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے مجتمع دیکھا تو براہِ انکار اس کو بدعت فرمایا اور اسی بناء پر فقہاء نے جماعت نافلہ کو مکروہ کہا ہے۔

تیسری صورت: وہ محفل جس میں نہ تو پہلی صورت کا سا اطلاق و بے تکلّفی ہو اور نہ دوسری صورت کی طرح اس میں قیود حرام ہوں بلکہ قیود تو ہوں، مگر ایسے قیود ہوں جو خود اپنی ذات میں مباح و حلال ہیں۔ یعنی روایات بھی صحیح و معتبر ہوں... لوگوں کو بُلانے اور اطّلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو... پس ایسی محفل نہ تو پہلی محفل کی طرح علی الاطلاق جائز ہے اور نہ دوسری محفل کی طرح علی الاطلاق ناجائز اور جائز ہونے میں تفصیل ہے جو عنقریب معروض ہوتی ہے۔" (اصلاح الرسوم ـــ)

(۴) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو، مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں۔ وعلیٰ ہذا عرس کا جواب ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۵ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

⑤ علامہ ابن الحجاج رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"فان خلا (ای فعل المولد) منه (ای عمل السماع) وعمل طعام فقط ونوی به المولد ودعی الیه الاخوان وسلم من کل ماتقدم ذکره فهو بدعة بنفس نیة فقط لان ذلك زیادة فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف أولی ولم ینقل من احد منهم انه نوی المولد ونحن نتبع السلف فیسعنا ما وسعهم انتهی۔

(بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۴)

(ترجمہ: اگر میلاد کا فعل سماع کی خرابیوں سے خالی ہو اور صرف میلاد کی نیت سے کھانا تیار کیا جائے اور اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے اور دیگر تمام سابق میں مذکور خرافات سے اجتناب ہو تو فقط نفس نیت سے یہ بدعت ہے، کیونکہ یہ دین میں اضافہ ہے اور گزرے ہوئے سلف صالحین کا عمل نہیں ہے جبکہ سلف صالحین کا اتباع اولیٰ ہے اور ان میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے کہ انہوں نے میلاد کی نیت کی ہو اور ہم تو اسلاف کے پیروکار ہیں جس کی اجازت ان کو تھی اسی کی ہم کو بھی ہے۔)

⑥ شیخ شرف الدین حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ان مایعمل بعض الامراء فی کل سنة احتفالا لمولده صلی اللہ علیه وسلم فمع اشتماله علی التکلفات الشنیعة بنفسه بدعة أحدثه من یتبع هواه ولا یعلم ما امره صلی اللہ علیه وسلم صاحب الشریعة ونهاه" (بحوالہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۴)

ترجمہ: بعض امراء جو ہر سال مجلس میلاد منعقد کراتے ہیں تو قیودات فاسدہ پر مشتمل ہونے کے علاوہ یہ مجلس خود بدعت ہے جس کی ایجاد ایسے لوگوں نے کی ہے جو اپنی خواہش کے پیروکار ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے اوامر و نواہی سے بے خبر ہیں۔)

⑦ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ، براہین قاطعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"پس غور کرنا چاہیے کہ نفس ذکرِ مولود مندوب و مستحسن ہے، مگر صلاۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور خیر موضوع ہے، مگر بایں ہمہ بوجہ تداعی و اہتمام کے کہ یہ اس میں مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں یہاں ذکرِ مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت نہیں بدعت ہوویگا البتہ وعظ و درس میں تداعی ثابت ہے، کیونکہ وہ فرض ہے۔ جیسا فرائض صلوات میں تداعی ضروری ہے اور تعین سُور کا اس صلاۃ میں بدون ورود نص کے بدعت لکھا ہے سو مولود میں بھی تعیین ہیئات مباح کا جو معلوم ہے بدعت ہووے گا، گو فی حد ذاتہ وہ امور مباح و مستحب ہوں۔" (براہین قاطعہ ص ۱۵۳)

ان حوالجات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اہتمام و تداعی کے ساتھ مجلسِ میلاد منعقد کرانی خود بدعت ہے۔

یہ ساری تفصیل جو مجلسِ میلاد کے بارے ذکر ہوئی عرس اور ایصالِ ثواب کی مجلسوں میں بھی جاری ہوتی ہے، پھر بھی عرس کے بارے میں مزید تصریحات درج کی جاتی ہیں۔

فتاوی رشیدیہ میں ایک سوال میں یہ درج ہے کہ جناب مولانا فضل رحمٰن صاحب رح کا عرس[1] گنج مراد آباد میں ہر سال تاریخ معین پر ہوتا ہے۔ بذریعہ اشتہار تاریخ عرس تشہیر بھی

---

[1] یہ عرس بھی خود مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ کی وصیت کے خلاف ہوتا تھا۔

تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ میں ہے۔ ص ۵۲

"ہم نے یعنی فقیر تجمل حسین نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ بدعت کی جزئیات کو فرما دیجیے۔ مثلاً بعد انتقال حضور کے چہلم و چہارم ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ صحابہ رض کا فعل یہ نہ تھا۔ الغرض آپ کے عہد میں یہ سب نہ تھا۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ بعد انتقال حضور کے عرس مزار پر آپ کے ہو یا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز عرس نہ ہو۔ جب کوئی سنے فضل رحمٰن کا انتقال ہوا تو چار قل پڑھ کر بخش دے بس اس سے زیادہ کچھ نہ کرے۔ اس پر جناب احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ قل و عرس تمام بزرگان کا ہوتا ہے یہاں بھی ہونا چاہیے۔ آپ نے بہت خفا ہو کر فرمایا کہ ہرگز نہ ہو، ہماری قبر پر کوئی میلہ نہ کرے۔

راقم کہتا ہے کہ حضرت قبلہ کو خیال سنّت کا بہت تھا آپ نے اپنے پیر کا عرس نہیں کیا اور نہ ان کے پیر نے اپنے پیر کا عرس کیا۔"

کی جاتی ہے۔ خاص مریدانِ سلسلہ کو بذریعہ خطوط اطلاع بھی دی جاتی ہے۔تاریخ معینہ پر لوگوں کا اجتماع ہوکر قرآن خوانی ہوتی ہے ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے ، قوالی راگ سماع مزامیر ودیگر خرافات وغیرہ روشنی بھی نہیں ہوتی۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور نادرست ہے۔ تعین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا گناہ ہے خواہ لغویات ہوں یا نہ ہوں۔ (ص ۱۳۱ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

ایک اور سوال کہ "جس عرس میں صرف قرآن شریف پڑھا جائے اور تقسیم شیرینی ہو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں ؟"

مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں"کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا دُرست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود دُرست نہیں ہے۔ (ص ۱۴۷ ایضاً)

اور اس سوال پر کہ "مرید لوگ زید کی سالانہ برسی کرتے ہیں یعنی ایک تاریخ مقرّر کر کے کسی دوسرے بزرگ کی خانقاہ میں سب مرید جمع ہوتے ہیں۔"

مولانا رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

اور عرس کے باب میں بھی جواب یہ ہے کہ منع ہے۔ اربعین میں مولانا ممدوح لکھتے ہیں مقرر ساختن روز عرس جائز نیست۔ در تفسیر مظہری مینویسد لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا انتهى۔ (ص ۱۰۹ ایضاً)

دوسری فصل : ایک ممکنہ اعتراض اور اُس کا جواب

اعتراض : کسی کو اگر یہ خیال ہو کہ خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اصلاح الرسوم میں محفلِ میلاد کی تیسری صُورت کو ذکر کر کے فرمایا ہے۔

"خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ مفاسد مذکورہ نہ ہوں گو اس کی توقع عوام کی حالت پر نظر کرنے

سے بہت ہی بعید ہے، لیکن اگر فرضاً کسی وقت یا کسی موقع پر ایسا ہو تو وہاں اجازت دی جائے گی، مگر اس وقت اجازت کے فعل میں بھی ضرور ہو گا کہ ان قیود کو جس طرح عقیدۃً غیر مؤکد سمجھیں اسی طرح اپنے عمل سے بھی اُن کا مؤکد نہ ہونا بار بار ظاہر کرتے رہیں"۔

اس عبارت سے یہ تو معلوم ہُوا کہ تمام احتیاطوں کے ساتھ اور مفاسد مذکورہ سے بچتے ہُوئے محفلِ میلاد کی یہ تیسری صورت جائز ہے اور رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" میں جس محفلِ میلاد کو منعقد کرنے کا ذکر ہے اس سے یہی صُورت مراد ہے تو اس کے انعقاد سے تو کچھ مانع نہ رہا۔

جواب: اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس تیسری صورت کے لیے مولانا رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ "لوگوں کو بلانے اور اطلاع کرنے میں مبالغہ نہ ہو"۔ اور عدم مبالغہ کی کوئی تحدید نہیں کی جبکہ عدم مبالغہ ہر شخص کے اپنے حالات اور وسائل کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے جو شخص پانچ سو افراد کو بلانے پر قادر ہے وہ سو افراد کو بلانے میں ترک مبالغہ خیال کرے گا جبکہ دوسرے کے نزدیک یہ مبالغہ میں شامل ہو گا۔ اسی طرح کوئی اگر مسجد میں ایک تحریری اطلاع چسپاں کرنے یا ایک مرتبہ زبانی اطلاع کرنے میں مبالغہ خیال نہ کرے تو کوئی دوسرا کثیر تعداد میں آنے والوں پر نظر کر کے اس کو یقیناً مبالغہ و اہتمام اور تداعی پر محمول کرے گا۔ جب نفل نماز کی جماعت کے لیے چار آدمیوں کی موجودگی تداعی پر محمول کی جاتی ہے تو کیا چار آدمیوں کو دعوت دے کر محفلِ میلاد کے لیے بلانا تداعی نہ ہو گا۔ اور متقدمین میں سے جن لوگوں نے اس قسم کی مجالس کو بھی جو مکروہ کہا ہے تو غالباً یہ بھی وجہ ہو گی۔

علاوہ ازیں مولانا تھانوی رحمہ اللہ اسی اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں۔

"علیٰ ہذا القیاس سب قیود مباحہ کے ساتھ یہی عمل رکھیں تو اس طرح کی محفل گو سلف صالحین سے منقول نہیں، مگر بوجہ مخالف نہ ہونے قواعدِ شرعیہ کے ممنوع بھی نہ کہی جائے گی۔ یہ حکم ہے صورت سوم کا باعتبار فتویٰ کے، لیکن مصلحت انتظامِ دین کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے بھی احتیاط رکھیں، کیونکہ یہ خود نہ تو ضروریات دین سے ہے نہ کسی ضرورتِ دین کا موقوف علیہ ہے اور ایک بار یہی ہیئت اجتماعیہ مباحہ مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے اور جہل

روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے اس لیے مرتبہ تقوٰی احتیاط ہی میں ہے۔" (ص ۱۱۹)

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے زمانے میں جو حالات تھے، اُن میں مزید ابتری پیدا ہوئی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاط کو شدّت سے جاری رکھا جائے۔

پھر ایک اور بات جو انتہائی قابلِ لحاظ ہے۔ وہ یہ ہے کہ خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے بدعت و سُنّت کے درمیان جو فرق کیا ہے اس کے مطابق بھی باوجود سبب کے موجود ہونے کے سلف صالحین سے اس طرح کی محفل منقول نہیں، لہٰذا صرف تقوٰی ہی نہیں بلکہ فتوٰی کی رو سے بھی اس طرح کی مجلس منعقد کرنے سے اجتناب ضروری ہے، جیسا کہ خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت بھی بعض علماء نے ان کے (یعنی مثبتین کے) ساتھ اختلاف کیا تھا۔" اور ان بعض علماء میں ابن الحاج مالکی اور شرف الدین حنبلی رحمہما اللہ بھی ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں، جیسا کہ ان کی دی ہوئی عبارتوں میں پہلے گزر چکا ہے۔

اسی طرح عرس اور ایصالِ ثواب کے بارے میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں۔

"اور قیود مباحہ کے ساتھ جس کو نہ خود ضرر ہو اور نہ اس کے فعل سے کسی دوسرے کو ضرر ہو خُفیہ طور پر اس کو گنجائش دی گئی ہے۔ اس کو چاہیے کہ ان قیود میں گاہ گاہ تغیّر و تبدل کر دیا کرے تاکہ کہیں اسی کے نفس میں یا شاید دوسرے کے نفس میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو جائے، مگر پھر بھی اِطلاق کا طریقہ افضل و مسنون ہے کیونکہ اس طریق مباح ہی سے آخر خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں تو آئندہ بھی اندیشہ ہی ہے اس لیے مقتضائے انتظامِ الٰہی یہی ہے کہ ان قیود سے بالکل ہی احتیاط رکھے اور تجربہ سے یہ بھی ثابت ہُوا ہے کہ قیود کی پابندی میں اگر ابتداء میں بالفرض خلوص بھی ہو مگر بعد چند دن کے پھر اس کو نباہنے کے لیے کرنا پڑتا ہے اور نیت دُرست نہیں رہتی۔" (ص ۱۳۱)

حاصل کلام یہ ہُوا کہ سوائے اس مجلس کے جو بلا تخصیص و بلا تقیید کے ہو اور ہر قسم کی مجلس خواہ میلاد کی ہو یا ایصال ثواب کی ہو بدعت اور واجب الاجتناب ہے۔

کیا ان مجالس کو منعقد کرانے میں کوئی اصلاحی منفعت ہے؟

رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مصنّف نے ان مجالس کے حق میں ایک دلیل یہ دی ہے "لیکن آج کل صُورت حال کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ رسومات اور بدعات کے اندیشۂ وقوع کے مقابلہ میں ارتدادِ خفی میں لوگ مُبتلا ہو رہے ہیں اور محبّت اور عظمتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کمی کی وجہ سے اہانتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک نوبت پہنچ رہی ہے جو کہ صریح کفر ہے۔ اپنے محسنین کو ایصال ثواب کے اہتمام سے تغافل ہے۔ اولیاء اللہ کا تذکرہ تو کجا پُورے خانقاہی نظام جس کا مقصد روحِ دین کا حصول تھا کی بھی مخالفت کی جارہی ہے۔ گڑھے کے خوف سے گہرے کنوئیں میں گر رہے ہیں، اس لیے اب بعض مصلحت اندیش علماء کے نزدیک دینی مصلحت ان مجالس کے قیام میں ہے کہ بدعت کے خوف کے مقابلہ میں وقوع کُفر زیادہ سخت ہے تاہم ان مجالسِ خیر و برکات میں مشائخ کو اس بات کی کڑی نگرانی کرنی چاہیے تاکہ کوئی منکر اور بدعت اصطلاحی ان میں رواج نہ پا جائے۔" (ص ۳۶)

ہم کہتے ہیں کہ اس دلیل کے جواب میں اصلاح الرسوم کی ص۱۱۹ اور ص۱۳۱ کی مذکورہ بالا عبارتوں کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے پُورے یقین کے ساتھ یہ تحریر فرمایا ہے کہ "یہ ہیئت اجتماعیہ مباحہ ایک بار مفضی الی المفاسد ہو بھی چکی ہے اور جہل روز بروز غالب ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے مقتضائے انتظام الٰہی یہی ہے کہ ان قیودِ مباحہ سے بالکل ہی احتیاط رکھے"

غرض اس ہیئت اجتماعیہ مباحہ سے مذکورہ مفاسد کا پیدا ہونا اغلب ہے جبکہ رسالہ میں مذکورہ ارتداد خفی سے بچاؤ کچھ اس ہیئت پر موقوف بھی نہیں بلکہ اس کے لیے دیگر متبادل طریقے موجود ہیں۔ ایسی حالت میں مقتضائے انتظام الٰہی کے خلاف کرنا اور اس میں مصلحت خیال کرنا شرعی اور عقلی قواعد سے بہت بعید ہے۔

تنبیہ: مذکورہ رسالہ میں میلاد اور عرس سے متعلّق بعض واقعات کی نسبت حضرت شیخ

الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے، یہ نسبت قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ حضرت رحمہ اللہ کے معمولات سے سب خاص و عام واقف ہیں اور مولانا ابوالحسن علی ندوی سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ میں "دینی حمیت اور مسلک صحیح کی حفاظت کا اہتمام" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح وہ مسلک توحید و اتباعِ سنّت و ردِّ بدعات کے شدّت سے حامی و محافظ تھے جو اُن کو وراثتاً و تعلیماً و تربیتاً اپنے اسلاف و اساتذہ و مشائخ سے ملا تھا۔ ہندوستان کی آزادی و تقسیمِ ملک کے بعد کچھ سیاسی و انتظامی مصالح کی بناء پر بعض ایسے علماء کی طرف سے جو ہندوستان کے حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے اور اس مُلک میں رہنے کے فیصلہ کو ہر مسئلہ پر مقدم رکھتے تھے۔ مصلحتاً بعض ایسے اجتماعات کی نہ صرف اجازت دی گئی، بلکہ ان میں وہ خود شریک بھی ہوئے۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات نے بزرگانِ دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جن میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ تقسیم کے بعد وہ بند ہوگئے تھے یا بہت پھیکے پڑ گئے تھے۔ شیخ کو جب اس طرح کی اطّلاعات ملیں تو اُن کے دِل کو بڑی چوٹ لگی۔ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اللہ کی شان انقلاباتِ زمانہ اور اپنے اعمالِ بد کے ثمرات دیوبندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے۔ جس شخص کے بڑے نظام الدّین کے عرس کے زمانے میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے اُن کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے، تاکہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے عنوان سے اجازت مل جاتی ہے ملاقات ہوجائے۔"

اسی طرح ایک مرتبہ شیخ نے ایک قابلِ احترام دیوبندی عالم اور بزرگ کے متعلّق سُنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاوّل کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں شیخ نے اس پر اس ناچیز کو لکھا۔

" ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاوّل کے میلادی جلسہ میں ... کی شرکت

کا دعدہ پڑھا، جب سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے ایسے خم ٹھونکے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار جمعیۃ تو گویا اس کے پروپیگنڈہ کے لیے وقف ہوگیا۔"

(ص ۲۱۱، سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ از مولانا ابوالحسن ندوی مدظلہ)

چوتھی فصل: حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ان محافل میں شرکت کے بارے میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کا تبصرہ

اس رسالہ "اکابر کا مسلک و مشرب" کے مصنف نے مقامِ غور کے عنوان سے ایک یہ عبارت لکھی ہے۔

"اب فریقین ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ جب حاجی صاحبؒ کے معمولات میں میلاد شریف، فاتحہ خوانی، عرس وغیرہ تھے اور بعض دیگر اعتقادی مختلف فیہ مسائل کو حضرت حاجی صاحبؒ شرک و بدعت نہیں فرماتے تھے جس کی تفصیل ان کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ" میں موجود ہے۔ غور فرمائیں کہ اگر کوئی شخص حاجی صاحبؒ کے مذکورہ بالا معمولات اور رائے کو بدعت یا شرک مانتا ہو تو وہ حضرت حاجی صاحبؒ کو اپنا پیر و مرشد کیسے مان سکتا ہے جبکہ یہ تعلّق محض رسمی پیری مریدی کا نہیں تھا، بلکہ ان حضرات کا حاجی صاحب سے اور حاجی صاحب کا اکابرِ دیوبند سے تعلّق عقیدت و محبّت اور عشق کے درجے میں تھا جو کہ حاجی صاحب کے مطبوعہ مکاتیب سے واضح ہے اور یہ حضرات کسی بدعتی سے ادنیٰ تعلّق بھی گوارا نہیں کرتے اور شرک کا واہمہ تو بڑی دُور کی چیز ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ یہ مختلف فیہ معمولات اور فروعی مسائل کے متعلق حاجی صاحبؒ کی رائے اور عمل دیوبندی علماء کے نزدیک اصلاً شرک یا بدعت وضلالت نہیں ہوسکتی۔

اس تمہید کے بعد ہم ظاہر شریعت اور علمی لائن کی رو سے بھی مذکورہ مسائل میں اکابرِ علماء دیوبند کے متفقہ عقائد درج کریں گے، جو مشہور مسائل میں سوال و جواب کے طور پر عربی میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ رسالہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرّہٗ کا ہے ... لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ اِن ہی اُمورِ خیر میں دُشمنوں اور سازشیوں نے اعتقادی اور عملی شرکیات اور منکرات کو شامل کرکے عوام میں رواج دیا جس کی اصلاح

اور ان کا انسداد علماء حقہ پر ضروری تھا اور کچھ حضرات صحیح اعتقاد کے ساتھ حاجی صاحبؒ کے طریقہ پر ان معمولات کے عامل رہے اور ہیں، لیکن اکثریت ایسی نہیں رہی"۔۔

(ص ۵-۶)

اس مذکورہ بالا حوالہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس رسالہ کے مصنّف کے نزدیک حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اس قسم کی جن مجالس میں شریک ہوئے ہیں اُن سے اکابرین دیوبند مثلاً مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کو کچھ اختلاف نہ تھا اور وہ ان کو فروعی اور مختلف فیہ مسائل میں سے شمار کرتے تھے۔ مصنّف پر یہ لازم تھا کہ اس رسالہ کی تصنیف سے پہلے وہ اس مسئلہ سے متعلّق مولانا گنگوہی اور مولانا تھانوی رحمہما اللہ کی جملہ تحریرات کا بغور مطالعہ فرما لیتے اگر وہ ایسا کر لیتے تو یقیناً اس قسم کی بات تحریر نہ فرماتے

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے کچھ شبہات کا جواب دیتے ہوئے مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"امر ثانی میں سُنیے کہ حضرت اعلیٰ کا ارشاد پانچ چھ سال پہلے یہی تھا کہ "نفس ذکر جائز اور قیود بدعت" چنانچہ اس قسم کی تحریرات اَب بھی موجود ہیں، مگر بعد حضور مجوزین کے جو تحقیق ہوئی ہے خلاصہ اس کا ہفت مسئلہ میں آپ نے خود لکھا ہے کہ جناب حضرت مدّظلہ مجوزین و مانعین ہر دو کی تصویب فرما رہے ہیں، حالانکہ ایک مسئلہ جزیۂ عملیہ جو مجتہدین میں مختلف فیہ ہے عنداللہ حق اس میں ایک ہی ہے اور دوسرا غلط، تو کشف سے اگر صاحب کشف حق ایک جانب کو حق جان لیوے تو دوسری جانب کو حق نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ کشفاً ایک ہی حق ہوتا ہے پس دونوں کی تصویب اور ایک کی ترجیح کے کیا معنی سوائے اس کے کہ دونوں جانب علماء تصوّر فرما کر اس مسئلہ کو مختلف فیہ خیال فرمایا اور اس مسئلے کو مسئلہ فرعیہ تصوّر فرمایا حالانکہ یہ مسئلہ اعتقادیہ ہے۔ اگرچہ بادی النظر میں مسئلہ فرعیہ خیال کیا جاتا ہے اور مسئلہ اعتقادیہ میں حق ایک ہی ہوتا ہے۔ ظاہر میں بھی مثل باطن کے۔ اسی واسطے اہل اہواء، اگرچہ صدہا علماء ہیں ان کی کثرت پر نظر نہیں ہوتی اور مسئلہ مختلف فیہا نہیں کہا جاتا۔ اور حضرت اعلیٰ وجہِ ترجیح کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ان قیود کو بدعت ہی نہیں سمجھا، کیونکہ

فرماتے ہیں کہ "بدعت وہ ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جاوے اور اس پر حدیث من احدث فی أمرنا ھذا الخ کو دلیل لائے ہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ترجیح کشفی نہیں ہے، باقی یہ بات کہ ترجیح اعلیٰ حضرت کی صحیح نہیں اس کو بیں نہیں لکھتا اگرچہ یہ اصل اُن کی صحیح ہے، مگر اندراج اس جزئیہ کا اس اصل میں صحیح نہیں ہے۔ آپ تامل کریں گے تو واضح ہو جائے گا اور اس مسئلے کو مختلف فیہا سمجھنا تم سے تعجّب ہے، کیونکہ وہ مسئلہ مختلف فیہا بظاہر دونوں طرف صواب ہوتا ہے کہ مجتہد مطلق یا مقید یا علماء راسخین ملحق بھم میں مختلف فیہ نہ ہو اور عوام علماء کا اختلاف مسئلہ کو مجتہد فیہ نہیں بناتا بلکہ اس میں ایک ہی جانب حق ہوتی ہے کہ جو موافق قانونِ شریعت کے ہو اور دوسری رائے باطل ہوتی ہے۔

(ص ۲۸۵، میلاد النبی۔ مولانا تھانویؒ)

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کس صراحت سے اس مسئلہ کا اعتقادی ہونا بتا رہے ہیں اور اس کے فرعی اور مختلف فیہ ہونے کی نفی فرما رہے ہیں، جبکہ ہمارے پیشِ نظر رسالہ کے مصنّف اس سے بے خبر ہو کر مسئلہ کو فرعی اور مختلف فیہ ذکر کر رہے ہیں۔

"مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے نام اپنے مراسلہ میں یوں تحریر کیا۔

" شرکت بعض مجالس کی الحمد للہ مجھ کو نہ غلو وافراط ہے نہ اس کو موجب قربت سمجھتا ہوں مگر توسع کسی قدر ضرور ہے اور منشا اس توسع کا حضرت قبلہ وکعبہ کا قول و فعل ہے مگر اس کو حجت شرعیہ نہیں سمجھتا بلکہ بعد ارشاد اعلیٰ حضرت کے خود بھی میں نے جہاں تک غور کیا۔ اپنے فہم ناقص کے موافق یوں سمجھ میں آیا کہ اصل عمل تو محلِ کلام نہیں ہے البتہ تقییدات تخصیصات بلا شبہہ بدعت ہیں۔ سو اس کی نسبت یوں خیال میں آیا کہ ان تخصیصات کو اگر قربت وعبادت مقصودہ سمجھ لیا جاوے تو بلاشک بدعت ہیں اور اگر محض امور عادیہ مبنی بر مصالح سمجھا جاوے تو بدعت نہیں بلکہ مباح ہیں تو مباح کبھی بوجہ واسطہ عبادت بن جانے کے لغیرہٖ عبادت سمجھ لیا جاوے چنانچہ بہت سے مباحات کی یہی شان ہے ... (الی ان قال) ان خیالات کے ذہن نشین ہونے سے ان خصوصیات کے انکار میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مرتبہ فروع ومسائل اختلافیہ کا سا آنے لگا، مگر اس کے ساتھ ہی نہ کسی دن ان اعمال کی وقعت ذہن میں آئی نہ خود رغبت ہوئی نہ

اوروں کو ترغیب دی۔ بلکہ اگر کبھی اس قسم کا تذکرہ آیا تو یہی کہا گیا کہ اولیٰ یہی ہے کہ خلافیات سے بالکل اجتناب کیا جاوے، مگر جس جگہ میرا قیام ہے، وہاں ان مجالس کی کثرت تھی اور بے شک ان لوگوں کو غلو بھی تھا، چنانچہ ابتدائی حالت میں اس انکار پر میرے ساتھ بھی لوگوں نے مخالفت کی، مگر مَیں نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تین چار ماہ گزرے تھے کہ حجاز کا اوّل سفر ہُوا تو حضرت قبلہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس قدر تشدد انکار مناسب نہیں ہے۔ جہاں ہوتا ہو انکار نہ کرو، جہاں نہ ہوتا ہو ایجاد نہ کرو۔ اور اس کے بعد جب مَیں ہند کو واپس آیا تو طلب کرنے پر شریک ہونے لگا اور یہ عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی جائے۔"

مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے نام اپنے مراسلہ میں ذکر کیا۔

"... بہر حال میرے خیال میں یہ اُمور خلاف اولیٰ ضرور ہیں مگر بمصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجائش نظر آتی ہے اور عوام کی اصلاح بھی ساتھ ساتھ واجب سمجھتا ہوں اور اپنی وسعت کے موافق کرتا بھی رہتا ہُوں اور اس کے ساتھ ایک خیال اور بھی پیدا ہُوا اور وہ بہت نازک بات ہے، وہ یہ کہ اگر یہ شرکت (در مجالس) بالکل اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہے تو حضرت قبلہ کے صریح ارشاد کی کیا تاویل کی جائے، بلکہ اہلِ علم کے اعتقاد و تعظیم و تعلّق ارادت سے عوام کا ایہام ہے۔ اس سے ہر پھر کر یہی اطمینان ہوتا ہے کہ شرعًا گنجائش ضرور ہے ..."

(ص ۲۷۱ میلاد النبی)

اس کے جواب میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اور امر ثانی کے باب میں اگرچہ سردست آپ کو بوجہ فرطِ عقیدت و محبّت کے ناگوار گزرے اور اس بندہ کو گستاخ و بے اَدب تصوّر کرو، مگر حق کہہ دینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں وہ یہ کہ بندہ جو حضرت شیخ سے بیعت ہُوا ہے اور جتنے اہلِ علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہے ہیں تو باوجود علم غیر عالم سے جو بیعت ہُوئے تو اس خیال سے بیعت ہُوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ اُستادوں سے کُتبِ دینیہ میں اُنہوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اس علم کو علم الیقین بنالیویں تاکہ عمل کرنا نفس کو اس پر سہل ہو جائے اور معلوم مشہود بن جاوے، علی حسب استعداد۔ اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہُوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم

نے پڑھا ہے اس کے صحت وسقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اس کے قول سے مطابق کر لیں کہ جس کو وہ غلط فرمادیں اس کو غلط مان لیں اور جس کو صحیح کہیں اس کو صحیح رکھیں کہ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمادے گا تو اس کو تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا، کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلے کو جو بظاہر خلافِ شرعیہ ہو، بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کر دے، مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں، اس کی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجیے۔

جب واقعہ مسیلمہ میں قراء بہت شہید ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا، انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا اور اس کا استحسان اُن کے ذہن نشین ہوگیا اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا۔ اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو باوجود اس بات کے کہ شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم وفضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت اُن کی بنسبت زید کے طویل تھی اور ان کے باب میں حکم عام شارع علیہ السلام سے ہو چکا تھا کہ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ، رواہ البخاری، معہٰذا زید نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا کَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور اُن کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا، کیونکہ ایجاد بدعت اُن کے نزدیک سخت معیوب تھا اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا مناظرہ شروع کر دیا، مگر جس وقت شیخین نے ان کو سمجھا دیا اور سنیت اس فعل کی زید کو ثابت ہوگئی تو اس وقت بدل وجان قبول کر کر اس کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔ بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

پس ایسا بدست شیخ ہوجانا کہ مامور ومنہی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہلِ علم کا کام نہیں،

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔ یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں۔ اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا تو بسبب فرطِ محبّت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے۔ سو وہ قابلِ اعتبار کے نہیں اور ہم لوگ اپنے آپ کو اس درجہ کا نہیں سمجھتے۔ ع

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

انہیں لوگوں کی شان میں ہے اور شیخ نصیر الدّین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس (سماع) سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ فعل مشائخ سُنّت نباشد۔ آپ نے سُنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر فرمانا کہ نصیر الدّین دُرست کہتا ہے۔ تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے۔ وہ امر بہت باریک ہے جو آپ نے لکھا ہے اس کے جواب میں اسی قدر کافی ہے۔ اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے اور کرتے رہے ہیں اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے، چنانچہ حضرت نے غذائے رُوح میں قصّہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا اور ٹکیہ موم کی آنکھ اور بتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا۔ لکھا ہے کہ اُنہوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلہ کو قبول کیا اور خود بندہ کو واقعات پیش آئے ہیں کہ جناب حاجی صاحب و جناب حافظ صاحب جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحب سے مسائل دریافت کر کر ان پر عامل تھے، بندہ کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہو گئے اور واللہ کہ حافظ صاحب نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ ہم کو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکا رہا۔

پس چونکہ ابتدائے صحبت سخوکردہ۔ ایسی عادات کا ہے اور فرطِ محبّت و عقیدت سے عاری حضرت کے ارشاد کو جو بسبب تصدیق کرنے قول بعض مریدین بدفہم یا کم فہم کے اور مریدین خود غرض بدنام کنندہ پیران کے، بحسنِ ظن خود صحیح سمجھ گئے ہیں سردست قبول نہیں کرتا بلکہ حضرت کو معذور جان کر خطاب سے بری سمجھتا ہُوں۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ اُفْتِیَ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَاِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ۔ لہٰذا حضرت کو معذور و بری جان کر ان خود غرضوں کو آثم اور ضال و مضل و مکتسب اَمتعۂ دنیویہ دَر پردہ دین یقین کرتا ہُوں اور واللہ باللہ کہ تم پر خلصۃً ہرگز مجھے یہ گمان نہیں ہے، جبکہ تم کو جو کچھ پیش آیا ہے۔ بفرطِ عقیدت واقع ہوا ہے مَیں تم

(باقی صفحہ ۵۴ پر)

سلیمہ بنتِ حامد بن محمدؒ

حیف ہے

.....اُس خامۂ فرسا پر جو سچ نہ اُگل سکے

اُس کان پر جو سچ نہ سُن سکے

اُس آنکھ پر جس میں شرم کا پانی نہ ہو

اُس زبان پر جس پر کوئی سچا کلمہ نہ آئے۔

اس دل پر جو خالص خُدا کے نام پر نہ دھڑکتا ہو۔

حیف ہے اس مرد پر جو اہلِ خانہ کے حقوق پُورے نہ کر سکے

اس عورت پر جو شوہر کی مونس اور وفادار نہ ہو۔

اس شخص پر کہ اہلِ علم کی صحبت کے باوجود آخرت سے غافل ہو۔

اس معلم پر جو اپنے شاگردوں کی سیرت و کردار کو کتاب وسُنّت کے سانچوں میں نہ ڈھال سکے۔ اس شاگرد پر جو اُستاد کا احترام نہ جانتا ہو۔

صد حیف ہے، اس واعظ پر جس کے قول اور فعل میں تضاد ہو۔

ان سخن وروں پر جو دلوں میں عشق حقیقی کی شمعیں منوّر نہ کر سکیں۔

ان دانشوروں پر جو عرفانِ الٰہی کا ادراک نہ کر سکیں۔

ان سائنسدانوں پر جو انسانیت کی تباہی کے لیے نت نئی ایجادات کریں۔

حیف ہے، ان سیاستدانوں پر جو سیاست کو دین سے خالی کر یں

اس حکمران پر جس کے عہد میں کسی کی جان ومال محفوظ نہ ہو۔

ان ماہرینِ اقتصادیات پر جو ملکی نظام کو سود جیسی لعنت سے پاک نہ کر سکیں۔

صد حیف ہے، اس جیش پر جس کو لشکرِ جرّار کا خطاب نہ مل سکے۔

اُن فوجی جھڑپوں پر جنہیں جہاد کا درجہ حاصل نہ ہو۔

اُس مُرید پر جو مُرشد کامل پائے لیکن فیض یاب نہ ہو سکے۔
اُس مُرشد نفس پرست پر جو قرآن و سُنّت کا پیرو کار نہ ہو۔
اُس مال پر جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جاتی ہو۔

بقیہ: فرمودات حضرت مدنیؒ

لیے تحفہ اور ہدیہ اور پوشیدہ تعلّق کی سلسلہ جنبانی ہے[1]"

دُنیا کی مصیبت سے فریاد

فرمایا کہ: "دُنیا مصیبت سے فریاد کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ہٹ جائے مگر عارف اس سے لذّت حاصل کرتا ہے اور اس کے ازالے کی خواہش نہیں کرتا"[2]

[1] مکتوب ۱۶/۱۰۷ ص ۹۴-ج ۱ [2] مکتوب ۱۶/۱۰۷ ص ۹۴-ج ۱-

بقیہ: حاصل مطالعہ

○ حضرت زکریا علیہ السّلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے کَانَ زَکَرِیَّا نَجَّارًا[1]" زکریا علیہ السّلام بڑھئی (ترکھان) تھے۔)
○ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے ایک دکاندار کے یہاں کپڑے رنگے تھے۔
○ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ السّلام نے بکریاں چرائی ہیں اور تجارت کی ہے[2]

(جاری ہے)

[1] مُسلم ج ۲ ص ۲۶۸- [2] بہشتی زیور مدلّل حصہ دہم ص ۸۰۶ بتغیر-

بقیہ: ہمارے اکابر کا اصل مسلک

کو بھی اس امر میں معذور سمجھتا ہوں اور تمہارے واسطے دُعائے خیر کرتا ہوں اگرچہ مَیں تمہارا شاکی بھی ہوں، مگر یہ شکوہ میرا بوجہ محبّت کے ہے، کیونکہ شکوہ اپنوں ہی کا ہوتا ہے۔

(ص ۲۷۶ تا ۲۷۹، میلاد النبی)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیلی عبارت کے ملاحظہ کے بعد انشاء اللہ حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے فعل سے استدلال کرنا ممکن نہ رہے گا۔

(جاری ہے)

○

تبصرہ

مولانا غلام رسول مہر اور پاکستان اسکیم

مصنّف ۔ پیر علی محمد راشدی

مرتّب : ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

ناشر : مجلس یادگار مہر ۱/۹ علی گڑھ کالونی کراچی ۴۱

صفحات : ۱۸۰ ۔ قیمت : ۷۵ روپے

فروری ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے ایک سب کمیٹی حاجی عبداللہ ہارون کی سربراہی میں قائم کی تھی اور اُس نے ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے لیے ایک اسکیم تیار کی تھی جسے "پاکستان اسکیم" کا نام دیا گیا تھا، لیکن ایک سال کی محنت کے بعد جب اسکیم بن کر تیار ہوئی اور اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو مسلم لیگ نے اس بات سے ہی انکار کر دیا کہ اس نے اس کام کے لیے کوئی سب کمیٹی بھی بنائی تھی۔

اس کمیٹی کے دو فعال ارکان پیر علی محمد راشدی اور مولانا غلام رسول مہر تھے جو اس کتاب کے مصنّف اور موضوع ہیں۔

راشدی مرحوم ایک قرن سے زیادہ مولانا مہر کے قریب رہے تھے اور اُن کی شخصیت، سیرت اور اخلاقی و فکری محاسن کا مطالعہ کیا تھا اور دونوں بزرگوں میں مذہبی، سیاسی ہم عصری اور ہم ذوقی نے محبّت کا ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم کر دیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مولانا مہر صاحب کا انتقال ہوا تو راشدی صاحب نے روزنامہ "جنگ" کراچی میں اُن کی شخصیّت پر ایک طویل مضمون لکھا، جس میں مولانا مہر کی سیرت، علم و فضل اور فکری مقام کے تذکرے کے علاوہ پاکستان اسکیم کے بارے میں بعض حیرت انگیز اور چونکا دینے والے حقائق کا انکشاف کیا۔ چونکہ پاکستان اسکیم ہنوز شائع نہ ہو سکی تھی۔ اس لیے بعض حلقوں کی طرف سے راشدی مرحوم پر شدید تنقید کی گئی۔

قابلِ صد مبارکباد ہیں جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری صاحب جنہوں نے راشدی

مرحوم کے اس طویل سلسلۂ مضمون کو تصحیح و تبویب کے ساتھ مرتب کر دیا ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ پاکستان اسکیم کو بطورِ ضمیمہ شامل کر کے ایک انتہائی فکر انگیز حیران کن اور تاریخی معلومات سے پُر ایک کتاب بنا دیا ہے۔

پاکستان اسکیم نے آخری شکل ۱۹۴۰ء کے آخر میں اختیار کی تھی، لیکن قرار دادِ لاہور کی بُنیاد چونکہ اس اسکیم کی بانی سب کمیٹی کی فراہم کردہ معلومات پر تھی۔

نواب محمد یامین خان نے ان معلومات کو ناقص اور غلط ہونے کی بناء پر زبردست تنقید کی تھی۔ جسے مرتّب نے نواب صاحب کی خود نوشت سے اخذ کر کے ضمیمہ ۲ بنا دیا ہے۔

خان عبدالولی خان کی تحقیق کے مطابق مسلم لیگ کی یہ سب کمیٹی وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے اشارے پر بنائی گئی تھی اور مسلم لیگ کے چند راہنماؤں نے اس کے قیام کے بعد وائسرائے کو اس کی اطّلاع بھی دی تھی، جس پر اُس نے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا جس سے بعض چونکا دینے والے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ اس لیے مرتّب نے خان صاحب کی تحقیق (حقائق حقائق ہیں) سے اس بحث کا بطور استدراک اضافہ کر دیا ہے۔

اس لیے مرتّب کے مطابق یہ کتاب قرارِ داد لاہور پر بے لاگ تبصرے اور بعض حیران کُن چونکا دینے والے حقائق کا مجموعہ بن گئی۔ اس لیے تاریخ کا کوئی طالب علم اور سیاسی مطالعے کا ذوق رکھنے والا کوئی بھی شخص اس کتاب کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کتابت، طباعت، کاغذ اور جلد سازی معیاری ہے اور حسین گرد و پیش سے مزیّن ہے۔

بقیہ : درسِ حدیث

بلکہ عمل زیادہ ہے اور عمل مشکل ہے اور مشکل حالات میں وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کر کے دکھایا۔ ایک نظریہ بتلایا، ذہن نشین کرایا، آخرت کا خیال، خُدا سے محبّت اور آخرت سے تعلّق بہ نسبت دُنیا کے تعلّق کے۔ یہ ذہن نشین کرایا۔ جگہ جگہ اس طرح کی تعلیمات قرآنِ پاک میں بھی ہیں اور احادیث میں بھی ہیں ــــــ کسی کام سے نہیں روکا۔ کام سارے کریں، مگر خیال رکھیں تو یہ کہ وہ کام ایسے ہوں جو آخرت میں نفع بخش ہوں۔ ان میں نیت بدل لی جائے تاکہ آخرت کا نفع ساتھ ساتھ چلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا، فضل سے نوازے۔

○